تاریخ

8

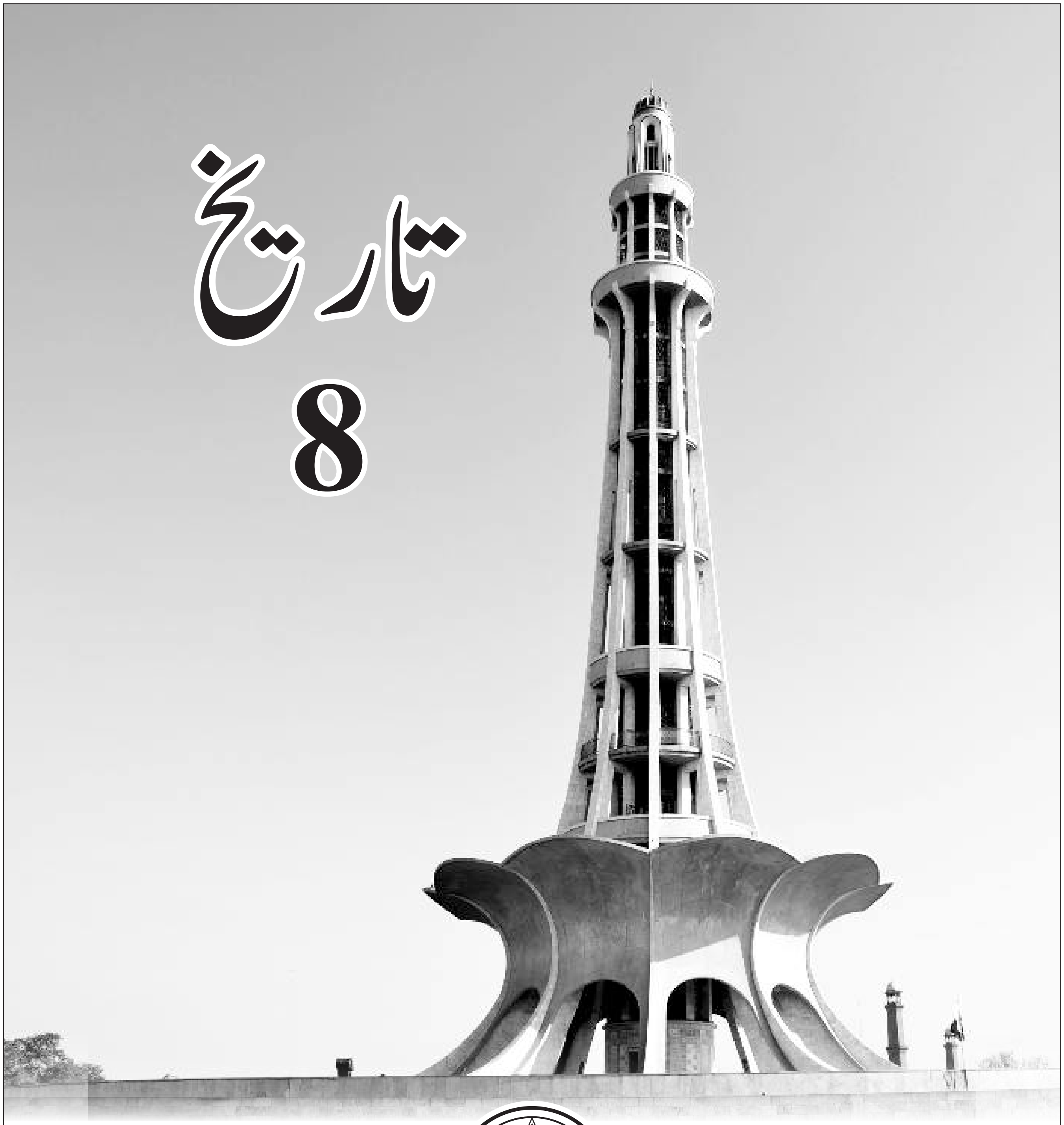

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپر، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

باب نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	برطانوی حکومت کا استحکام	01
2-	سرسید احمد خاں اور تحریک علی گڑھ	13
3-	برطانوی ہندوستان میں سیاسی بیداری	24
4-	سیاسی مصالحت کے لیے کوششیں	37
5-	قیام پاکستان کے لیے جدوجہد	53
☆	فرہنگ	69

مصنفین : ☆ منوّر ابنِ صادق ☆ قاضی عبد القدیر ☆ ڈاکٹر اظہر حمید
☆ پروفیسر بشیر الدین ملک ☆ پروفیسر انصار الحسن ☆ ڈاکٹر محمد شفیع مرزا
☆ ڈاکٹر شہباز خان ☆ ملک امیر الدین احسن ☆ مہر صفدر ولید ☆ عالیہ انور شاہ

ایڈیٹر و نگران طباعت : ☆ غیاث عامر

اراکین ریویو کمیٹی : ☆ پروفیسر ڈاکٹر اختر حسین سندھو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور۔
☆ پروفیسر زاہد عزیز خاں، گورنمنٹ کالج، ٹاؤن شپ، لاہور۔
☆ پروفیسر محمد سعید سگو، گورنمنٹ کالج، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

ناشر: ☆ پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

کمپوزنگ : ☆ حافظ انعام الحق ☆ محمد نواز ذوالفقار ☆ محمد اشرف جنید بھدرو

باب 1

برطانوی حکومت کا استحکام

(Consolidation of British Rule)

Students Learning Outcomes حاصلاتِ تعلم:

اس باب کے مطالعے سے طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- برصغیر پاک و ہند میں 1858ء کے ایکٹ کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی سے تاجِ برطانیہ کو اقتدار کی منتقلی اور برطانوی ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے اہم نکات بیان کر سکیں۔
- برصغیر پاک و ہند میں برطانوی انتظامی ڈھانچے کی وضاحت کر سکیں اور برطانوی انتظامیہ میں مقامی آبادی کو شامل کرنے کے سلسلے میں ابتدائی کوششوں کا جائزہ لے سکیں۔
- لارڈ میکالے (Lord Macaulay) کا نظریہ تعلیم اور چارلس ووڈ (Charles Wood) کے تعلیمی منصوبے کے حوالے سے برطانوی حکومت کی تعلیمی پالیسی کے مقاصد اور نتائج پر گفتگو کر سکیں۔
- برصغیر پاک و ہند میں نوآبادیاتی معاشی پالیسی کے اہم خدوخال واضح کر سکیں۔
- انگریزوں کے دور میں معاشرتی تبدیلی کے حوالے سے کی گئی اصلاحات کا جائزہ لے سکیں۔
- برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کے مواصلاتی نظام کے فوائد اور اثرات بیان کر سکیں۔
- برصغیر پاک و ہند کے عوام کو اقتدار کی منتقلی کے سلسلے میں نافذ کیے جانے والے مختلف قوانین (Acts) 1861، 1892، 1909 اور 1919 پر گفتگو کر سکیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی آمد سے پہلے عرب تاجر یہاں تجارت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے اور اپنا تجارتی سامان بیچ کر یہاں سے مقامی اشیا خرید کر واپس جاتے تھے۔ اس تجارت میں ان کو کافی نفع ہوتا تھا۔ عرب تاجر برصغیر کا سامان تجارت کی غرض سے یورپ بھی لے جاتے تھے۔ اس طرح ان کے تعلقات یورپ کے ساتھ بھی اچھے اور خوشگوار ہو گئے تھے۔ یورپی تاجروں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی برصغیر کا تجارتی مال اپنے طور پر بیچیں۔ سب سے پہلے پرتگیزی تاجروں نے یہاں کا رخ کیا اور تجارت میں خوب منافع کمایا۔ اس کے بعد انگریزوں اور فرانسیسی تاجروں نے بھی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یورپ سے آنے والی اقوام میں انگریز برصغیر کی تجارت میں آگے نکل گئے اور تجارت کے لیے آنے والی دوسری اقوام کو انھوں نے پیچھے چھوڑ دیا۔ 1600ء میں برطانوی ملکہ الزبتھ سے قانونی اجازت نامہ حاصل کر کے انگریزوں نے ایسٹ انڈیا

کمپنی کی بنیاد رکھی جس کا اصل مقصد برصغیر سے تجارت کرنا تھا مگر انتظامی اور تعلیمی زوال کے باعث انھوں نے رفتہ رفتہ برصغیر پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور مغلیہ دورِ حکومت

مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر نے کمپنی کو بہت سی مراعات دیں اور بہت سارے تجارتی ٹیکس بھی معاف کر دیے جس سے انگریز بہت خوش ہوئے۔ ان کو اب تجارت میں زیادہ فائدہ نظر آنے لگا اور انھوں نے تجارتی کوٹھیاں بھی قائم کر لیں۔ جب شاہجہاں کا دورِ حکومت شروع ہوا تو انگریزوں نے کوشش کر کے مزید تجارتی مراعات حاصل کر لیں اور ٹیکسوں میں مزید چھوٹ لے لی اور تجارتی مال پر ڈیوٹی کی شرح بھی کم کرا لی۔ برصغیر میں مغلوں کی حکومت رفتہ رفتہ بہت کمزور ہوتی گئی کیونکہ اورنگ زیب کے بعد آنے والے بادشاہ کمزور تھے۔ ان کا سلطنت پر کنٹرول نہ تھا اور انتظامی ذمہ داریاں بھی اچھی طرح سرانجام نہ دے سکے۔ اس طرح ملک میں اندرونی خلفشار شروع ہو گیا۔ انگریزوں نے ان سیاسی حالات کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر بہت کمزور ثابت ہوا اور وہ انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس طرح 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز پورے برصغیر کے حکمران بن گئے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ اور برطانوی حکومت کا قیام

جنگِ آزادی کے بعد 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی اور برصغیر پر برطانیہ کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی سے تاجِ برطانیہ کو اقتدار کی منتقلی ہوئی۔ برطانیہ نے برصغیر پر قریباً 90 سال حکومت کی۔ برصغیر پر ایک انگریز وائسرائے (Viceroy) مقرر کیا جاتا تھا، جس کے پاس تمام اختیارات ہوتے تھے۔

لارڈ کیننگ

1858ء میں ایک قانون بنایا گیا، جس کے تحت لارڈ کیننگ (Lord Canning) برصغیر کا پہلا وائسرائے بنا۔ اس نے الٰہ آباد میں ایک شاہی دربار منعقد کیا، جس میں برطانوی ملکہ وکٹوریہ کا اعلان پڑھ کر سنایا۔ اس اعلان کے اہم نکات ذیل میں دیے گئے ہیں:

1- تمام لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان کے جنھوں نے جنگ میں انگریزوں کی مخالفت کی تھی۔
2- آئندہ قوانین بناتے وقت برصغیر کے لوگوں کی مذہبی و سماجی رسومات اور روایات کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ کسی شخص کے ساتھ محض رنگ، نسل، مذہب اور قومیت کی بنا پر امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔
3- قابلیت، تعلیم اور کردار کی بنا پر سرکاری ملازمت دی جائے گی۔
4- حکومت کسی شخص کی آبائی وراثت میں مداخلت نہیں کرے گی۔ اگر حکومت کے زرعی واجبات کی ادائیگی کی جائے گی تو حکومت اس جائیداد کی مکمل حفاظت کرے گی

برطانوی ملکہ وکٹوریہ

5- حکومت کسی بھی فرد کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔

> کیا آپ جانتے ہیں کہ: ملکہ برطانیہ وکٹوریہ 1819ء میں پیدا ہوئیں، 1837ء میں تخت نشین ہوئیں اور 1901ء میں اپنی وفات تک برطانیہ کی ملکہ رہیں۔

6- آئندہ کسی دیسی ریاست (Princely State) کو برطانوی مقبوضات میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کے ساتھ کیے گئے تمام معاہدوں کا احترام کیا جائے گا، ان پر ایمانداری سے عمل کیا جائے گا اور امید ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔

برصغیر پاک وہند میں برطانوی انتظامی ڈھانچا

برصغیر کے انتظام کو چلانے کے لیے یہاں برطانوی انتظامی ڈھانچا بنایا گیا، جس کی رو سے:

برصغیر پاک وہند میں برطانوی انتظامی ڈھانچا

ملکہ برطانیہ
|
وزیراعظم برطانیہ
|
وزیرامور ہند
|
وائسرائے ہند
|
صوبائی گورنر
|
سول سروس کے افسران

1- 1858ء کے قانون کے تحت وائسرائے کو تاج برطانیہ اور برطانوی وزیراعظم کے مشورے سے صوبوں میں گورنر کے تقرر کا اختیار مل گیا۔

2- برطانوی کابینہ میں وزیرامور ہند (Secretary of State for India) کا اضافہ ہوا اور اسے برصغیر کے امور سے متعلق کافی اختیارات مل گئے۔ وزیرامور ہند برطانیہ کی پارلیمنٹ کا ممبر ہوتا تھا۔

3- وزیرامور ہند کی مدد کے لیے سول سروس کے افسران اور کچھ دوسرا سٹاف بھی مقرر کیا گیا تھا۔

4- برصغیر میں برطانوی حکومت کی پالیسیوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے پندرہ ارکان پر مشتمل ایک کونسل آف انڈیا بنائی گئی۔ اس کونسل کے اجلاس کی صدارت وزیرامور ہند کرتا تھا۔

برصغیر پاک وہند کی برطانوی انتظامیہ میں مقامی آبادی کو شامل کرنے کے لیے ابتدائی کوششیں

مسلمانوں نے برصغیر پاک وہند پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکومت کی۔ جنگ آزادی میں تمام اقوام نے حصہ لیا مگر انگریزوں نے مسلمانوں سے بہت برا سلوک کیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کرلیں۔ ان کو ملازمتوں سے نکال دیا گیا۔ ان کے کاروبار بند ہو گئے اور وہ مفلسی اور بدحالی کا شکار ہو گئے۔

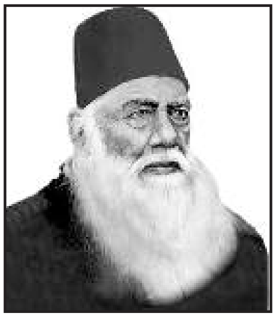

سرسید احمد خاں

مسلمانوں کو زوال کی حالت میں دیکھ کر سرسید احمد خاں کو بہت دکھ ہوا۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو وہی مقام واپس دلانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں جو انگریز راج سے پہلے ان کو حاصل تھا۔ آپ نے ایک رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' لکھا، جس میں بغاوت ہند کے اسباب بیان کرتے ہوئے آپ نے اس بات پر زور دیا کہ برصغیر کے لوگوں کی انگریزوں کے خلاف بغاوت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ برصغیر کے لوگوں کی حکومت میں شمولیت نہ تھی اور ملک میں رائج ہونے والے قوانین عوام کے مزاج کے خلاف تھے۔ قانون ساز کونسل کے انگریز ممبران کو یہاں کے لوگوں کے مسائل اور روایات کا علم نہ تھا۔

سرسید احمد خاں نے دلیل پیش کی کہ بلاشبہ برطانوی پارلیمنٹ میں برصغیر کے لوگوں کی شمولیت ناممکن ہے لیکن برصغیر پاک و ہند کے قانون ساز اداروں میں یہاں کے لوگوں کی شمولیت ہونی چاہیے۔ انگریزوں نے سرسید کی اس تجویز کو پسند کیا اور 1861ء میں بننے والی نئی قانون ساز کونسلوں میں برصغیر کے غیر سرکاری ارکان کو شامل کر لیا گیا۔ یہ ارکان حکومت کے نامزد کردہ تھے۔

کونسلوں میں حکومت کے وفادار اور ریٹائرڈ سرکاری ملازمین شامل کیے گئے تھے۔ کونسلوں میں بیٹھے ہوئے حکومت کے ''وفادار'' مقامی ارکان کے اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے۔

برطانوی حکومت کی تعلیمی پالیسی

برطانوی حکومت نے برصغیر پاک و ہند میں باقاعدہ تعلیمی نظام قائم کیا، جس کی نظریاتی بنیاد انگریز ماہرین تعلیم نے فراہم کی۔ اس کوشش میں لارڈ میکالے اور چارلسووڈ کے نام اہم سمجھے جاتے ہیں۔

لارڈ میکالے کا نظریہ 1835ء

لارڈ میکالے

1835ء میں لارڈ میکالے نے برصغیر پاک و ہند میں تعلیمی ضروریات بیان کرتے ہوئے حکومت کو تجویز دی کہ سرکاری زبان فارسی کی بجائے انگریزی کی جائے۔ اس نے عربی و سنسکرت زبانوں کو ختم کرنے پر زور دیا۔ اس نے تجویز دی کہ آئندہ سے مشرقی علوم کی تعلیم پر کوئی رقم خرچ نہ کی جائے۔ لارڈ میکالے نے کہا کہ تعلیم کا مقصد لوگوں کو سرکاری ملازمتوں کے لیے تیار کرنا اور برصغیر میں مغربی سائنسی علوم کا فروغ ہے۔ اس نے برصغیر کی مقامی زبانوں کی بجائے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا۔

> لارڈ میکالے کا تعلق برطانیہ سے تھا۔ وہ ایک تاریخ دان اور سیاست دان تھا۔ وہ برصغیر میں حکومت کی تعلیمی کمیٹی کا سربراہ تھا۔

چارلس وڈ(Charles Wood) کا تعلیمی منصوبہ 1854ء

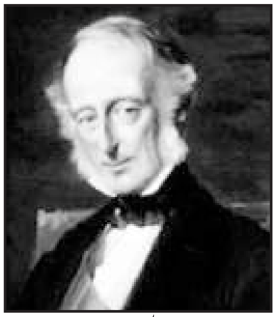

چارلس ووڈ

چارلس وڈ نے 1854ء میں ایک تعلیمی منصوبہ پیش کیا جس کے مطابق برصغیر کے ہر صوبے میں محکمہ تعلیم، ایک گورنمنٹ کالج اور ایک ماڈل ہائی سکول قائم کیا جائے۔ لندن یونیورسٹی کی طرز پر بمبئی (ممبئی)، کلکتہ (کولکتہ) اور مدراس (چنائی) میں ایک ایک یونیورسٹی قائم کی جائے جو ٹیکنیکل اور قانون کی تعلیم کا بندوبست کریں گی اور دیگر سکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے امتحانات لے کر ان کو ڈگریاں جاری کریں۔ پرائمری تعلیم مقامی زبانوں میں دی جائے۔ مقامی لوگ سرکاری نصاب اور نظام تعلیم کو اپنا کر اپنے ادارے قائم کریں جو حکومتی نصاب پڑھائیں انھیں گرانٹ دی جائے۔ اساتذہ کی تربیت کے ادارے قائم کیے جائیں اور اساتذہ کی تربیت مقامی زبان میں ہو۔ خواتین کی تعلیم کے لیے گرلز سکولز اور کالج بھی قائم کیے جائیں۔

چارلس ووڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کا صدر تھا۔ 1854ء میں اس نے اپنا ایک تعلیمی منصوبہ پیش کیا جسے ووڈز ڈسپیچ (Wood's Despatch) کہا جاتا ہے۔

انگریزوں کی معاشی پالیسی

انگریزوں نے برصغیر میں اپنی معاشی پالیسی کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

1- انگریزوں نے برصغیر میں ٹیکسوں کا نیا نظام متعارف کرایا، پیمائش اور اوزان کا نیا نظام بنایا اور نئی کرنسی متعارف کرائی۔

2- ریلوے اور سڑکوں کا ایک اچھا نظام قائم کیا، نہری نظام کو ترقی دی اور نہروں پر پل بنائے۔

3- جائیداد کی ملکیت کا قانون متعارف کرایا، آزاد تجارت کی حوصلہ افزائی کی اور کپڑے پر درآمدی ڈیوٹی کم کی۔

4- انگریزوں نے سرکاری ملازمت کا نظام بہتر کیا۔

انگریزوں نے برصغیر میں نوآبادیاتی معاشی پالیسی کو جاری کی۔ انھوں نے ایسی معاشی پالیسی بنائی جس کے تحت برصغیر برطانوی صنعت کے لیے خام مال حاصل کرنے کی منڈی بن گیا۔ یہاں سے کپاس سستے داموں حاصل کی جاتی اور برطانیہ کے شہر برمنگھم کے کارخانوں کا مال مہنگے داموں بیچا جاتا تھا۔ بجا طور پر برصغیر کی خوشحالی برطانیہ بھیجی جارہی تھی اور اس کے بدلے میں غربت تقسیم کی جارہی تھی۔ ملک میں بے روزگاری کا دوردورہ تھا کیونکہ یہاں کی مقامی صنعت تباہ کردی گئی تھی۔

انگریز حکومت نے عوامی مسائل حل کرنے کی بجائے سخت قوانین نافذ کرکے عوامی رائے کو دبانے کی کوشش کی تو عوام کا ردعمل شدید ہوگیا۔ ''کالے اور گورے'' کے درمیان امتیاز پر اب برطانوی پارلیمنٹ میں بھی تنقید ہوتی تھی۔ انگلستان کی لبرل پارٹی (Liberal Party) نے اس فرق کو کم کرنے کے لیے کچھ فضا ہموار کی۔

انگریز دورِحکومت میں برصغیر پاک و ہند میں معاشرتی اصلاحات

انگریز حکومت کی طرف سے معاشرے کی اصلاح کے لیے متعدد اقدامات کیے گئے جو درج ذیل ہیں:

1-ذات پات کا نظام

اس وقت ہندو معاشرے میں ذات پات کا نظام رائج تھا۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر چار ذاتیں تھیں۔ ان ذاتوں کے ذمے مختلف کام لگائے گئے تھے۔ برہمن سب سے اونچی ذات تھی اور شودر کو گھٹیا تصور کیا جاتا تھا۔

انگریزوں نے تعلیمی اور دوسری اصلاحات کے ذریعے معاشرے میں برابری کے مواقع پیدا کر دیے جس سے ذات پات کے نظام کی حوصلہ شکنی ہوئی اور سرداری نظام کو زبردست دھچکا لگا۔ عورتوں کی تعلیم سے بھی معاشرتی تبدیلی آئی۔

2- ستی کی رسم پر پابندی

ہندو معاشرہ میں عورت کی حیثیت بہت معمولی رہی ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق شوہر کے مرنے پر بیوہ عورت کا شوہر کی چِتا میں جل کر مرنا ''ستی'' کہلاتا ہے۔ سکھ مذہب میں ستی حرام تھی مگر اس کے باوجود کئی سکھ گھرانوں میں ستی کی رسم موجود تھی۔

1829ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ (Lord William Bentinck) نے بنگال میں ستی کی رسم پر پابندی لگا دی۔ انگریز حکومت نے بیوہ عورت کو دوبارہ نکاح کرنے کی اجازت دی مگر کچھ ریاستوں میں ثقافتی اور مذہبی رسم کے طور پر ستی کی رسم پھر بھی جاری رہی۔ نومولود بچوں کو مارنے یا زندہ دفن کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ستی کی رسم پر پابندی کے خلاف ہندو عدالت میں پہنچ گئے۔ معاملہ برطانوی عدالت پریوی کونسل (Privy Council)، برطانیہ میں بھی گیا۔ 1832ء میں وہاں سے بھی پابندی کی برقراری کے حق میں فیصلہ آ گیا، جس کے بعد یہ قانون برصغیر کے دیگر حصوں میں بھی نافذ کر دیا گیا۔

3- کم عمری میں شادی

انگریز دورِحکومت میں ہندو معاشرے میں خواتین کی شادی کم عمر میں ہو جاتی تھی۔ لڑکیوں کی کم عمری میں شادی کا ایک بڑا سبب انھیں معاشی بوجھ سمجھا جاتا تھا۔ انگریز دورِحکومت میں ایک قانون کے تحت شادی کے لیے لڑکی کی عمر 14 سال اور لڑکے کی عمر 15 سال مقرر کر دی گئی۔

4- شادی پر رقم کی ادائیگی

زمانہ قدیم سے ہندوؤں نے شادی کے موقع پر ایک نقد رقم ادائیگی کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہ رقم دلہن کے خاندان کی طرف سے دولہا کے خاندان کو دی جاتی تھی۔ اس سے وہ خاندان پریشان رہتے تھے، جن کے ہاں لڑکیاں زیادہ پیدا ہوتی تھیں۔

اس رسم سے ہندو معاشرے میں بے چینی، لڑائی جھگڑے اور کئی دوسرے مسائل پیدا ہوئے۔ اس رسم کی وجہ سے کئی ہندو لڑکیوں کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ایک غیر انسانی رسم تھی، جس کو انگریز حکومت نے ختم کر دیا۔

انگریز دورِ حکومت میں مواصلاتی نظام کی ترقی

انگریزوں نے اپنی حکومت کے قیام کے بعد ذرائع مواصلات پر خاصی توجہ دی۔ اس سلسلے میں انھوں نے درج ذیل اقدامات کیے۔

ڈاک اور ٹیلی کام

انگریز دور میں ڈاک کے محکمے کو جدید طرز پر بنایا گیا کیونکہ انگریزوں کو اپنے احکامات برصغیر کے دور دراز کے علاقوں تک پہنچانے کے لیے اس محکمے کی بہت ضرورت تھی۔ نئے ڈاک خانے بنائے گئے اور وہاں تربیت یافتہ عملہ تعینات کیا گیا۔ 1887ء میں لاہور میں جنرل پوسٹ آفس (GPO) قائم کیا گیا۔ اس نظام کی کامیابی کے لیے مختلف محکموں کے درمیان رابطے بڑھائے گئے۔ انگریز حکومت نے ڈاک کے نظام کے علاوہ ٹیلی گرام کے نظام کو بھی بہتر کیا۔ انگریز حکومت نے مواصلات کا نظام اگرچہ اپنے مقاصد کے لیے بنایا تھا لیکن اس سے برصغیر کے لوگوں کو بھی فائدہ ہوا۔ عوام کے ایک دوسرے سے رابطے بڑھے۔ ملک میں تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ انگریزوں کے ڈاک اور ٹیلی کام کے نظام نے برصغیر کے لوگوں پر مثبت اثرات مرتب کیے۔

جنرل پوسٹ آفس، لاہور

ریلوے اور سڑکیں

ذرائع مواصلات کسی بھی ملک کی معاشی ترقی اور استحکام کے لیے بہت اہم ہوتے ہیں۔ انگریز دور میں ریلوے اس وقت تیز ترین ذریعہ مواصلات تھا۔ چنانچہ پورے برصغیر میں جہاں ممکن ہوا ریلوے لائنوں کا جال بچھایا گیا۔ اہم قصبوں اور شہروں میں ریلوے اسٹیشن قائم کیے گئے۔ شہریوں کی سہولت کے لیے ریلوے لائن کراسنگ پر پھاٹک لگائے گئے۔ انگریزوں نے گاڑیوں کے آنے اور جانے کے اوقات کو منظم کیا۔ ریلوے کے ٹکٹنگ نظام کو بہتر کیا۔ ان اقدامات سے عوام کا ریلوے پر اعتماد بڑھا اور وہ ریلوے کے سفر کو محفوظ سمجھ کر ترجیح دینے لگے۔

سفر کو آسان بنانے کے لیے انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں برصغیر کے طول و عرض میں نئی سڑکیں بنائیں اور پہلے سے موجود سڑکوں کے معیار کو بہتر بنایا۔ جہاں کہیں سڑک کے راستے میں نہریں یا دریا آتے تھے، وہاں پل تعمیر کیے۔ مسافروں کی سہولت کے لیے بس سٹینڈ بنائے گئے۔ سفر کو محفوظ بنانے کے لیے انگریزوں نے اپنے مقامی انتظامی عملے کو خصوصی تربیت

دی۔انگریزوں کے اقدامات سے مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ انگریزوں نے یہ تمام اقدامات اپنی سہولت کے لیے کیے،مگر پھر بھی برصغیر کے عوام کو بہت فائدہ ہوا۔

برصغیر میں نافذ کیے جانے والے مختلف ایکٹ (قوانین)

برصغیر پاک وہند کے لوگوں کو حکومت کے معاملات میں شامل کرنے کے لیے 1909,1892,1861اور 1919 کے ایکٹ برطانوی پارلیمنٹ نے منظور کیے اور انھیں برصغیر میں نافذ کیا گیا۔

1-قانون مجالس ہند 1861ء (Indian Councils Act 1861)

i- 1861ء کے قانون مجالس ہند کے تحت بننے والی قانون ساز کونسلوں میں پہلی مرتبہ وائسرائے (گورنر جنرل) نے برصغیر کے مقامی لوگوں کو قانون سازی کے عمل شامل کیا۔اس طرح نچلی سطح پر اختیارات کی منتقلی کا عمل شروع ہوا۔

ii- بمبئی اور مدراس کی صوبائی حکومتوں کو محدود پیمانے پر قانون سازی کی اجازت دی گئی۔وائسرائے کی منظوری سے صوبائی مجالس قانون ساز کے پاس کردہ بل منظور ہوتے تھے۔اگر صوبائی قانون ساز کونسل کا کوئی ممبر کسی طبقے کی مذہبی رسوم یا خارجہ معاملات سے متعلق کوئی تجویز پیش کرنا چاہتا تو اسے صدر قانون ساز کونسل سے پیشگی اجازت لینا پڑتی تھی۔

iii- وائسرائے کے پاس اختیار تھا کہ وہ اپنی قانون ساز کونسل میں کم سے کم 6 اور زیادہ سے زیادہ 12 ممبران نامزد کرے۔ان میں نصف غیر سرکاری ممبران تھے۔

2-قانون مجالس ہند 1892ء (Indian Councils Act 1892)

i- قانون مجالس ہند 1892ء کی رو سے مرکزی اور صوبائی کونسلوں میں میونسپل کمیٹیوں اور تاجر انجمنوں کے چند ممبران نامزد کیے جاتے تھے۔یہ نامزد ممبران کونسل کے اجلاسوں میں شریک ہو کر قانون سازی میں حصہ لیتے تھے۔

ii- مرکزی اور صوبائی قانون ساز کونسلوں میں غیر سرکاری ارکان کا اضافہ کیا گیا۔مرکزی کونسل میں 16،چھوٹی صوبائی قانون ساز کونسل کے لیے 15 اور بڑی صوبائی قانون ساز کونسل کے لیے 20 ارکان کا اضافہ کیا گیا۔ضلعی بورڈز،میونسپل کمیٹیوں،زمینداروں اور چیمبر آف کامرس وغیرہ کو صوبائی قانون ساز کونسلوں کے غیر سرکاری ممبران کو نامزد کرنے کے اختیارات دیے گئے۔اس طرح نامزدگی کا ایک اصول بھی متعارف کرایا گیا۔

3-قانون مجالس ہند 1909ء (Indian Councils Act 1909)

i- قانون مجالس ہند 1909ء کے تحت صوبائی قانون ساز کونسلوں میں توسیع کی گئی۔مختلف صوبوں کی کونسلوں کے لیے اراکین کی تعداد اس طرح مقرر کی گئی۔پنجاب 27،بنگال 54،برما 18،یوپی 50،مدراس 49 اور بمبئی 49۔صوبائی حکومتوں کو اپنا بجٹ خود تیار کرنے کا اختیار دیا گیا۔

ii- مرکزی مجلس قانون ساز کے غیر سرکاری ممبران کی تعداد 16 سے بڑھا کر 60 کر دی گئی، جن کو مختلف طبقے اور صوبائی کونسلیں منتخب کرتی تھیں۔

iii- قانون مجالس ہند 1909ء کے تحت وائسرائے (گورنر جنرل) کی انتظامی کونسل پانچ ممبران پر مشتمل تھی جس میں ایک ہندوستانی شامل تھا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ برصغیر میں نافذ ہونے والے قانون مجالس ہند 1909ء کو منٹو مارلے اصلاحات (Minto-Morley Reforms) بھی کہا جاتا ہے۔

iv- قانون مجالس ہند 1909ء کے تحت مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دیا گیا۔

اہم معلومات:
مذہب کی بنیاد پر نمائندوں کے انتخاب کو جداگانہ نیابت کہتے ہیں، جس کے تحت مسلمان، ہندو، سکھ اور مسیحی اپنے نمائندے منتخب کرتے تھے۔

4- قانون حکومت ہند 1919ء (Government of India Act of 1919)

i- قانون حکومت ہند 1919ء کی رو سے مرکزی مجلس قانون ساز دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ ایوان بالا کو "کونسل آف سٹیٹ" اور ایوان زیریں کو "قانون ساز کونسل" کا نام دیا گیا۔ کونسل آف سٹیٹ کے زیادہ سے زیادہ 60 ممبران تھے جن میں سے 33 کا انتخاب اور بقیہ کی نامزدگی کی جاتی تھی۔ قانون ساز کونسل 144 ممبران پر مشتمل تھی جن میں 104 کا انتخاب ہوتا تھا، بقیہ 40 ممبر نامزد ہوتے تھے۔

ii- گورنر جنرل (وائسرائے) کی انتظامی کونسل 6 ممبران پر مشتمل تھی جس میں 3 ہندوستانی شامل تھے۔

iii- قانون حکومت ہند 1919ء کے تحت صوبائی نوعیت کے امور مثلاً بلدیات، صحت عامہ، تعلیم اور پولیس وغیرہ صوبوں کے حوالے کیے گئے۔

iv- اسی قانون میں سکھوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دیا گیا۔

اہم معلومات:
ایڈون سیموئل مانٹیگو (Edwin Samuel Montagu) وزیر امورِ ہند (22–1917ء) اور لارڈ چیمسفورڈ (Lord Chelmsford)، وائسرائے ہند (21–1916ء) تھا۔ ان دونوں نے مل کر ایک مسودہ قانون تیار کیا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے 1919ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی منظوری دی۔ اس کو مانٹیگو، چیمسفورڈ اصلاحات بھی کہا جاتا ہے۔

اہم نکات

1- برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی آمد سے پہلے عرب تاجر یہاں تجارت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔
2- 1600ء میں برطانوی ملکہ الزبتھ سے قانونی اجازت نامہ حاصل کر کے انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی۔
3- مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکومت کی۔
4- چارلسووڈ نے 1854ء میں اپنا ایک تعلیمی منصوبہ پیش کیا جسے ووڈز ڈسپیچ کہا جاتا ہے۔
5- جنگ آزادی 1857ء میں لڑی گئی، جس میں برصغیر کی تمام اقوام نے حصہ لیا۔
6- 1858ء میں ایک قانون بنا، جس کے تحت لارڈ کیننگ (Lord Canning) برصغیر کے پہلے وائسرائے بنے۔
7- 1887ء میں لاہور میں جنرل پوسٹ آفس (GPO) قائم کیا گیا۔
8- سرسید احمد خاں نے انگریز حکومت کو تجویز دی کہ برصغیر کے قانون ساز اداروں میں مقامی لوگوں کی شمولیت ہونی چاہیے۔
9- قانون مجالس ہند 1909ء کے تحت مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دیا گیا۔
10- قانون مجالس ہند 1909ء کو منٹو، مارلے اصلاحات بھی کہا جاتا ہے۔
11- قانون حکومت ہند 1919ء کو مانٹیگو، چیمسفورڈ اصلاحات بھی کہا جاتا ہے۔
12- قانون حکومت ہند 1919ء کے تحت سکھوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دیا گیا۔

مشقی سوالات

1۔ چار جوابات میں سے درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیں۔

1- آخری مغل بادشاہ کا نام تھا:

(الف) اورنگ زیب　　(ب) شاہجہاں
(ج) بہادر شاہ ظفر　　(د) محمد شاہ

2- ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' نام کا رسالہ کس نے لکھا؟

(الف) سید امیر علی　　(ب) سرسید احمد خاں
(ج) مولانا ظفر علی خاں　　(د) شبلی نعمانی

3- 1858ء میں وائسرائے لارڈ کیننگ نے کس شہر میں برطانوی ملکہ وکٹوریہ کا اعلان پڑھ کر سنایا؟

(الف) دہلی　　(ب) الہ آباد
(ج) کراچی　　(د) کلکتہ

4- مانٹیگو،چیمسفورڈ اصلاحات کا اعلان کس سن میں کیا گیا؟

(الف)1861ء (ب)1882ء

(ج) 1909ء (د)1919ء

5- قانون مجالس ہند 1909ء میں گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کے ممبران کی تعداد تھی:

(الف)3 (ب)5

(ج) 8 (د)10

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

i- ایسٹ انڈیا کمپنی کب قائم ہوئی؟

ii- ہندو معاشرے میں ذات پات کے نظام کے تحت کتنی ذاتیں تھیں؟ نام لکھیں۔

iii- جداگانہ انتخاب کسے کہتے ہیں؟

iv- کس شخصیت نے انگریز حکومت کو تجویز دی کہ برصغیر کے قانون ساز اداروں میں مقامی لوگوں کو شامل کیا جائے؟

v- انگریز حکومت سے پہلے برصغیر کی کون سی سرکاری زبان تھی؟

3۔ درست بیان کے سامنے (✓) اور غلط بیان کے سامنے (×) کا نشان لگائیں۔

i- قانون حکومت ہند 1919ء کے تحت گورنر جنرل کی انتظامی کونسل 6 ممبران پر مشتمل تھی۔

ii- مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکومت کی۔

iii- جنگ آزادی 1847ء میں لڑی گئی۔

iv- لارڈ میکالے نے برصغیر پاک و ہند کی سرکاری زبان فارسی کی بجائے سنسکرت کو قرار دیا۔

v- انگریزوں نے برصغیر میں نوآبادیاتی معاشی پالیسی کو جاری کیا۔

4۔ خالی جگہ پر کریں۔

i- چارلسووڈ نے.................. میں اپنا ایک تعلیمی منصوبہ پیش کیا جسے ووڈز ڈسپیچ کہا جاتا ہے۔

ii- قانون حکومت ہند.................. میں سکھوں کو جداگانہ انتخابات کا حق دیا گیا۔

iii- مغل شہنشاہ.................. نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بہت سی مراعات دیں۔

iv- قانون حکومت ہند 1919ء کی رو سے مرکزی مجلس قانون ساز.................. ایوانوں پر مشتمل تھی۔

v- 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد.................. پورے برصغیر کے حکمران بن گئے۔

5۔ کالم 'الف' کو کالم 'ب' سے ملا کر درست جواب کالم 'ج' میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
قانون مجالس ہند 1909ء	برصغیر کے پہلے وائسرائے	
قانون حکومت ہند 1919ء	1600ء	
لارڈ کیننگ	1887ء	
لاہور میں جنرل پوسٹ آفس کا قیام	منٹو مارلے اصلاحات	
ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام	مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات	

6- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

i- ایسٹ انڈیا کمپنی پر جامع نوٹ لکھیں۔

ii- برصغیر کے لوگوں کی شمولیت کے حوالے سے قانونِ مجالس ہند 1861ء کا تجزیہ کریں۔

iii- انگریزوں کی نوآبادیاتی معاشی پالیسی کا حال بیان کریں۔

iv- ذرائع مواصلات کی بہتری کے لیے انگریز حکومت نے کون سے اقدامات کیے؟ وضاحت کریں۔

v- انگریزوں نے اپنے دور میں معاشرے کی اصلاح کے لیے کیا معاشرتی تبدیلیاں کیں؟

vi قانون حکومت ہند 1919ء کی رو سے مرکزی مجلس قانون ساز پر نوٹ لکھیں۔

سرگرمیاں

- برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی اصلاحات پر تقریری مقابلہ کرائیں اور ہیڈ ماسٹر / ہیڈ مسٹرس اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ میں انعامات تقسیم کریں۔ یہ کام بزم ادب والے دن کیا جائے گا۔
- طلبہ مختلف گروپ بنا کر اپنے ٹیچر کی نگرانی میں چارٹ تیار کریں، تمام گروپوں کو برطانوی ملکہ وکٹوریہ کے اعلان، ووڈ اور میکالے کے تعلیمی مراسلات کے اہم نکات پر کام کرایا جائے۔

سرسید احمد خاں اور تحریکِ علی گڑھ

(Sir Syed Ahmad Khan and Aligarh Movement)

حاصلاتِ تعلم: Students Learning Outcomes

اس باب کے مطالعے سے طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے حالات پر گفتگو کر سکیں۔
- انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کرانے میں سرسید احمد خاں کی کوششوں کا احاطہ کر سکیں۔
- مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کے لیے سرسید کی خدمات بیان کر سکیں۔
- ایک معاشرتی مُصلح کی حیثیت سے سرسید احمد خاں کا کردار واضح کر سکیں۔
- سرسید احمد خاں کے سیاسی نظریے، تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری اور عملی سیاست سے گریز پر گفتگو کر سکیں۔
- موجودہ پاکستان میں قائم ہونے والے جدید تعلیمی اداروں سے آگاہ ہو سکیں۔
- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے آغاز، مقاصد اور کامیابیوں کا حال بیان کر سکیں۔
- جدید تعلیم کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلما کا ردِعمل واضح کر سکیں۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات

اگرچہ جنگ آزادی میں مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں نے مل کر حصہ لیا تھا لیکن ہندو اپنی چالاکی سے انگریزوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ ان کے وفادار اور دوست ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو باغی قرار دیا گیا، جس کے نتیجے میں انگریزوں کی حکومت نے مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تاکہ وہ دوبارہ کبھی برسرِاقتدار آنے کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں۔

مقامی لوگوں کی نااتفاقی اور انگریزوں کی جدید علمی اور تکنیکی تربیت اور ہتھیاروں کی وجہ سے برصغیر کے لوگ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکام ہوئے۔ اس کے بعد انگریزوں نے برصغیر کے مقامی باشندوں بالخصوص مسلمانوں سے زبردست انتقام لیا۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو مجرم قرار دیا گیا اور اسے جلاوطن کر کے قید کر دیا گیا۔ اس طرح مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

مسلمانوں کو سیاسی طور پر تباہ کرنے کے باوجود انگریز، مسلمانوں سے خوف زدہ تھے۔ وہ انھیں اپنی سلطنت کے لیے

مستقل خطرہ سمجھتے تھے۔اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی طور پر تباہ کرنے کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ذیل میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے:

سرکاری ملازمتوں سے محرومی

انیسویں صدی کے آخر تک انگریز حکمرانوں نے جو اقدامات اٹھائے، ان میں اکثر مسلمانوں کے خلاف تھے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی اکثریت کو سرکاری ملازمتوں سے نکال دیا گیا، نیز آئندہ کے لیے ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے۔جب کسی دفتر میں کوئی آسامی خالی ہوتی تو حکومت کی طرف سے دیے جانے والے اشتہار میں خاص طور پر درج ہوتا کہ مسلمان اس آسامی پر درخواست دینے کے اہل نہیں۔اس طرح یہ ملازمتیں دوسری اقوام، خاص طور کر ہندوؤں کو دی جاتی رہیں۔اس سے انگریز حکمرانوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہر اعتبار سے اس قدر کچل دیا جائے کہ وہ انگریزوں کے سیاسی حریف کی حیثیت سے دوبارہ اٹھنے کے قابل نہ رہیں۔مسلمان حکمرانی سے غلامی کی دلدل میں گرے تو انگریز اور ہندو اقوام نے انھیں مزید نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

زمینوں سے بے دخلی

سرکاری ملازمتوں کے علاوہ مسلمانوں کا صدیوں سے عام پیشہ کاشت کاری تھا۔ان میں زیادہ تر لوگ جاگیرداروں کی زمینوں پر کام کرتے تھے۔انگریزوں نے مسلمانوں کو زمینوں سے بے دخل کر کے تمام زمینیں ضبط کر لیں۔اس طرح مسلمانوں میں جاگیردار اور عام کاشتکار دونوں طبقے معاشی بدحالی کا شکار ہو گئے۔انگریزوں نے بہت سے نئے ٹیکس جاری کر دیے۔وہ ٹیکس جو پہلے معاف تھے ان کو دوبارہ شروع کر دیا گیا، جس کے نتیجے میں مسلمان معاشی طور پر تنگدستی کا شکار ہو گئے۔

تعلیمی پسماندگی

مسلمانوں کے اوقاف اور رفاہی اداروں سے بھی برا سلوک روا رکھا گیا۔مسلم اوقاف کی آمدنی جو پہلے مسلمانوں کی تعلیم پر خرچ ہوتی تھی اب انگریز حکمرانوں کی مرضی سے مختلف کاموں پر خرچ ہونے لگی۔ بیشتر اسلامی مدرسے بند ہو گئے۔اس طرح مسلمانوں کے مذہبی مراکز کو بھی انگریزوں نے جی بھر کے لوٹا۔ بچے کھچے مدرسوں سے فارغ ہونے والے مسلمانوں کے لیے سرکاری ملازمتوں کا کوئی بندوبست نہ کیا گیا، جس سے مذہبی طبقے کو خاص طور پر دھچکا لگا۔

فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری اور دفتری زبان کا درجہ دینا

انگریزوں نے فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری اور دفتری زبان قرار دے دیا۔ہندوؤں نے اس کی مخالفت نہ کی، لیکن مسلمان فارسی کی بجائے انگریزی زبان کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ان کی تعلیمی اور ثقافتی زندگی میں فارسی زبان و ادب کا بہت بڑا کردار تھا۔ان کے نزدیک زبان کی تبدیلی ان کی ثقافت کو ختم کرنے اور ان کے مذہب کو نقصان پہنچانے کی ایک دانستہ کوشش تھی۔

اس لیے وہ انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یوں وہ تعلیمی پسماندگی کا شکار ہوگئے۔ ان کے مقابلے میں ہندوؤں نے انگریزی زبان سیکھ کر مسلمانوں پر اپنی تعلیمی برتری قائم کرلی۔ چنانچہ اب ہندوؤں کے لیے وکالت، ڈاکٹری، انجینئرنگ اور دوسرے شعبوں میں نئی نئی راہیں کھلنا شروع ہوگئیں۔ اس طرح زندگی کے ہر شعبے میں قیادت ہندوؤں کے ہاتھ آنے لگی۔

جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی معاشرتی، معاشی اور تعلیمی ترقی کی حالت بڑی مایوس کن تھی، وہ مسلسل زوال کا شکار ہوتے جارہے تھے۔ اس صورت حال میں سرسید احمد خاں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آگے بڑھے۔ انھوں نے مسلمانوں میں شعور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ انھیں یہ تلخ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے کہ اب وہ محکوم ہوگئے ہیں۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں کے لیے باوقار زندگی گزارنے کا یہ اصول پیش کیا کہ وہ حاکموں سے مناسب اور باوقار سمجھوتہ کرکے چلیں۔

انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کرانے میں سرسید احمد خاں کا کردار

سرسید احمد خاں

سرسید احمد خاں 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ سرسید احمد خاں چاہتے تھے کہ مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرکے خوب ترقی کریں اور اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کریں۔

آپ کو اپنی قوم سے بڑا پیار تھا۔ مسلمانوں کی خراب حالت ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ حالات پر غور کرکے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان کم از کم کچھ عرصے تک انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ نہیں کرسکتے، اس لیے زندہ رہنے کے لیے مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے چاہییں اور یہ کہ انگریزی تعلیم کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کرسکتے۔ سرسید نے مسلمانوں کو غیر مسلح اور پرامن جدوجہد کا درس دے کر ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔

سرسید احمد خاں نے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت دور کرنے اور اچھے تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک رسالہ "اسباب بغاوت ہند" لکھا۔ اس میں انھوں نے بتایا کہ 1857ء کی جنگ آزادی کی اصل وجہ انگریزوں کی عوام کے خیالات اور رسم و رواج سے ناواقفیت تھی۔ انگریز حکمرانوں کے بعض اقدامات نے مقامی آبادی بالخصوص مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کا سلوک خاص طور سے برا تھا۔

انھوں نے مزید لکھا کہ جنگ آزادی میں ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے نیز یہ کہ جنگ آزادی میں سب مسلمانوں نے حصہ نہیں لیا، بلکہ بہت سے مسلمانوں نے زبردست خطرہ مول لے کر اور تکالیف اٹھا کر انگریزوں کی حفاظت کی۔ اس طرح سرسید نے انگریز حکمرانوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی جانب حکمرانوں کا سخت رویہ حد سے بڑھا ہوا ہے اور اس معاملے میں حکمران انصاف سے کام نہیں لے رہے۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں اور انگریزوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی غرض سے یہ دلیل بھی دی کہ عیسائی اور مسلمان اہل کتاب ہیں۔ اس لیے ہندو کی نسبت عیسائی، مسلمانوں کے زیادہ نزدیک

ہیں۔اس سے انگریزوں کے دل میں مسلمانوں کے لیے کچھ نرم گوشہ پیدا ہوا۔

سر سید احمد خاں نے انگریز حکومت کے اس الزام کی تردید کی کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف ہیں۔اس سلسلے میں آپ نے ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' لکھ کران مسلمانوں کے حالات کی تفصیل بیان کی ،جنھوں نے جنگ آزادی میں انگریزوں کی حمایت اور خیر خواہی میں اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

انگریز حکومت اور مسلمانوں کے درمیان سر سید احمد خاں کا مفاہمتی کردار قابل ستائش ہے۔جب سر سید نے مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کیا تو اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت پریشان کن اور ابتر تھی۔انھیں برصغیر کی مذہبی، تعلیمی، سماجی اور سیاسی زندگی میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی آپ کی کاوشوں نے مسلمانوں کو معاشرے میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے میں بہت مدد کی۔

مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لیے سر سید کی خدمات

سر سید احمد خاں کا خیال تھا کہ مسلمان جدید تعلیم حاصل کر کے ہی اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔انھوں نے اپنی تمام زندگی مسلمانوں کو مغربی تعلیم دینے پر وقف کر دی۔1859ء میں انھوں نے مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ قائم کیا۔جس میں فارسی اور انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی۔اس کے علاوہ ایک مدرسہ 1862ء میں غازی پور میں بھی قائم ہوا۔سر سید نے 1863ء میں ایک سائنٹیفک سوسائٹی بھی قائم کی۔اس میں ہندو بھی آپ کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔جس میں راجا جے کشن کا نام قابل ذکر ہے۔ سائنٹیفک سوسائٹی کے تحت آپ نے انگریزی زبان میں لکھی گئی بعض کتابوں کا اردو ترجمہ چھپوایا۔

آپ کی کوششوں سے 1866ء میں ایک ہفتہ وار علمی اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔اس کے ایک کالم میں مضمون کی انگریزی عبارت اور دوسرے میں اس کا اردو ترجمہ ہوتا تھا۔اس سے سر سید احمد خاں کی خواہش تھی کہ جو مسلمان انگریزی نہیں جانتے وہ بھی اردو عبارت پڑھ کر جدید علوم وفنون سے واقف ہو جائیں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک منظر

سر سید احمد خان نے 24 مئی 1875ء کو ایم اے او ہائی سکول کی بنیاد رکھی اور مولوی سمیع اللہ کو اس سکول کا ناظم مقرر کیا۔ اس کے بعد اسی سکول کو 8 جنوری 1877ء کو یعنی دو سال کے بعد کالج کا درجہ دے دیا گیا۔سر سید جولائی 1876ء کو ملازمت سے ریٹائر ہو گئے اور پھر خود ہی کالج کی ذمہ داری سنبھال لی۔ حکومت نے کالج کی تعمیر کے لیے 74 ایکڑ زمین بھی دی۔یہ کالج مسلمانوں میں بہت مقبول ہوا۔ بعد میں پنجاب، سندھ اور سرحد (خیبر پختونخوا) میں بھی اسی طرز پر تعلیمی ادارے قائم ہوئے۔1920ء میں اس کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

ایک معاشرتی مُصلح کی حیثیت سے سرسید احمد خاں کا کردار

سرسید احمد خاں نے بحیثیت ایک معاشرتی مصلح قابل قدر اقدام اٹھائے۔آپ نے مسلمانوں اور حکومت کے درمیان پائی جانے والی نفرت کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

سرسید نے معاشرتی اصلاح کے لیے یورپین تہذیب کو اپنانے پر زور دیا۔انھوں نے لکھا کہ جب انگریز مسلمانوں کو ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو انھیں کراہت آتی ہے،اس لیے ہمیں کھانا چھری کانٹے سے کھانا چاہیے۔سرسید نے مسلمانوں قومی ہمدردی اور قومی خیرخواہی کے جذبے پیدا کیے۔

سرسید نے اپنے کتابچے ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' میں انگریز حکومت کے لیے مسلمانوں کی خدمات گنوائیں اور حکومت کو اپنا رویہ بدلنے پر آمادہ کیا۔مسلمانوں کے خلاف عیسائی مشنریوں نے محاذ کھول لیا۔سرسید نے دونوں اقوام کے درمیان مفاہمت کی راہ اپنانے پر زور دیا۔اسلام اور عیسائیت کو اللہ تعالیٰ کے یکے بعد دیگرے آنے والے دو پیغامات کا مجموعہ کہا۔عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا بھی سرسیّد نے مقابلہ کیا۔ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب میں آپ نے خطبات دیے جو بعد میں خطباتِ احمدیہ کے نام سے کتابی شکل میں چھاپے گئے۔سرسید نے اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ کروایا۔

اپنی کتاب ''تبیّن الکلام'' میں سرسید نے قرآن پاک اور بائیبل کے مضامین کا موازنہ کرکے ثابت کیا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں اور ان میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔

سرسید احمد خاں نے دینی تعلیم کے لیے بھی بھرپور کوششیں کیں۔مدرسوں میں دینی تعلیم کے اجرا کا سلسلہ بھی شروع کرایا۔سرسید نے یتیم بچوں کو عیسائی ہونے سے بچانے کے لیے مراد آباد میں ایک یتیم خانہ اور ایک مدرسہ قائم کیا تاکہ عیسائی مشنری اداروں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لاوارث بچوں کے لیے اپنے الگ ادارے ہوں۔

سرسید احمد خاں کا سیاسی نظریہ

تاجِ برطانیہ کے ساتھ وفاداری اور عملی سیاست سے گریز

سرسید کی بھرپور کوشش رہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم اتحاد قائم ہو اور دونوں قومیں مل کر برصغیر کی ترقی کے لیے آگے بڑھیں،مگر ہندوؤں کی تنگ نظری،خودغرضی اور مسلم دشمنی کی وجہ سے آپ ہندو،مسلم دوستی کے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ہندو قیادت کو جب بھی موقع ملا مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی اور اُن کی تہذیب،ثقافت اور زبان کو نقصان پہنچایا۔سرسید احمد خاں نے شروع میں مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ سرگرم سیاست (Active Politics) سے دور رہیں اور معاشی و معاشرتی حالات بہتر کرنے کے لیے تعلیم حاصل کریں۔اس کے بعد آپ نے خود بھی سیاست میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے۔1867ء میں بنارس سے ہندی زبان کے حق میں ایک تحریک اٹھی تو سرسید کو بہت دکھ ہوا۔اس طرح اردو ہندی تنازعہ مسلم ہندو اختلافات کا باعث بنا۔اس سے پہلے آپ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کے حامی تھے۔مگر اب مجبوراً وہ صرف

مسلمانوں کی بات کرنے لگے۔ یہ دوقومی نظریے کی طرف بہت بڑا قدم تھا۔

سرسید کی تجویز پر برصغیر کی قانون ساز اسمبلی میں مقامی باشندوں کو بھی نشستیں دی گئیں تاکہ حکومت اور عوام کے درمیان رابطے موجود رہیں اور عوامی مسائل سے حکومت کو آگاہ کیا جاتا رہے۔ حکومت نے اسمبلی میں مختلف قوموں کے نمائندے نامزد کردیے۔ خود سرسید 1878ء سے 1882ء تک قانون ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔ اسمبلی کے اندر اور باہر سرسید اپنا کردار نبھاتے رہے۔ آپ نے البرٹ بل (Ilbert Bill) کی بھی مخالفت کی جس کی رو سے کسی یورپین کے خلاف مقدمات کی سماعت کا اختیار مقامی ججوں کو دینے سے انکار کیا گیا۔ سرسید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ سے البرٹ بل کو حکومت نے ختم کردیا۔

1883ء میں انگریز حکومت نے مقامی خود اختیاری گورنمنٹ کے نام سے لوکل کونسلوں کا ایک نظام متعارف کرایا تو آپ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام کونسلوں میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب (Separate Electorates) کا حق تسلیم کرتے ہوئے نشستیں مخصوص کی جائیں اور ان پر مسلمانوں کو نامزد کیا جائے۔ حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے مسلم قوم کے لیے ہر کونسل میں علیحدہ نشستیں مخصوص کردیں۔

سرسید مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان دوری کو کم کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے مفاہمت اور تعاون کی پالیسی اختیار کی۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھ کر مسلمانوں کی زبردست وکالت کی۔ 1885ء میں ایک انگریز اے۔او۔ہیوم (A.O.Hume) نے برصغیر کی سیاسی جماعت ''انڈین نیشنل کانگرس'' قائم کی، جس میں ہندوؤں نے بھرپور شمولیت اختیار کی۔ سرسید کو بھی اس کی رکنیت کی دعوت دی گئی لیکن انھوں نے صاف انکار کردیا۔ آپ حالات کے مطابق مسلمانوں کو سرگرم سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے، کیونکہ اس سے انگریزوں کے ساتھ تصادم کا خطرہ تھا، اس لیے آپ نے مسلمانوں کو کانگرس سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔

جب کانگرس نے برصغیر میں برطانوی پارلیمانی طرز کا نظام متعارف کرانے پر زور دیا تو آپ نے اس کی مخالفت کی۔ آپ نے ہندوعزائم کو بھانپ کر اس مطالبہ کی مخالفت شروع کردی۔ آپ نے کہا کہ برصغیر ایک ملک نہیں اور نہ یہاں ایک قوم بستی ہے۔ برطانوی پارلیمانی طرز کا نظام برصغیر میں رائج کیا گیا تو یہاں اکثریت کی اجارہ داری اور آمریت قائم ہوجائے گی جو مسلمانوں کو غلام بنادے گی۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس 1886ء

عام مسلمانوں میں تعلیم کی لگن پیدا کرنے کے لیے سرسید احمد خاں نے 1886ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔ اس کے سالانہ اجلاس مختلف شہروں میں ہوتے جہاں مسلمان رہنما مسلمانوں کی تعلیمی و دیگر ضروریات کے بارے میں تجاویز پر غور کرتے۔ سرسید اس کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ اس کانفرنس نے مسلمانوں کو ایک لحاظ سے سیاسی پلیٹ فارم بھی مہیا کیا۔ اس وقت تک مسلمانوں کی اپنی کوئی سیاسی جماعت نہ تھی۔ اس لیے مسلمان رہنما جب کانفرنس کے اجلاس کے لیے آتے تو مسلمانوں کو درپیش دیگر مسائل بشمول سیاسی مسائل پر بھی غور کرلیتے۔

اس سلسلے میں نواب محسن الملک، ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی اور مولانا الطاف حسین حالی پیش پیش تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو فوجی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا۔ سرسید احمد خاں نے یہ احساس پیدا کیا کہ انگریزوں سے مخالفت نہ کی جائے۔ اس سے انگریزوں نے مسلمانوں کی سرپرستی شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے اکثر تحریکیں کامیاب ہوگئیں۔

مسلمانوں کے تعلیمی ادارے

انجمن حمایت اسلام۔ لاہور

انجمن حمایت اسلام کی سرگرمیاں مسلم حقوق کی جدوجہد کا تسلسل تھیں۔ 1884ء میں لاہور میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بانی اور پہلے صدر خلیفہ محمد حمید الدین تھے۔ اسلامی اقدار کا تحفظ، مسلمان بچوں کو دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ کرنا، مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی ترقی کے لیے کوشش کرنا وغیرہ اس کے اہم مقاصد تھے۔ انجمن نے مسلمانوں کے لیے متعدد تعلیمی ادارے قائم کیے اور یتیم خانے کھولے۔ قیام پاکستان کے وقت انجمن حمایت اسلام کی زیر نگرانی کئی ادارے چل رہے تھے جن میں مڈل و ہائی سکول اور دارالامان وغیرہ شامل تھے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کی اشاعت کے لیے انجمن نے قرآن و حدیث، تاریخ اور دیگر اسلامی کتب بھی شائع کیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ سرسید، علامہ شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، محسن الملک، وقار الملک، مولانا الطاف حسین حالی اور علامہ محمد اقبالؒ جیسے نامور رہنما انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں مسلم حقوق پر تقاریر کرتے تھے۔ یہ تقاریر کتابچوں کی شکل میں چھاپ کر ملک کے طول و عرض میں تقسیم بھی کی جاتی تھیں۔

سندھ مدرسۃ الاسلام۔ کراچی

سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام حسن علی آفندی نے یکم ستمبر 1885ء کو کراچی میں سندھ مدرسۃ الاسلام قائم کیا۔ مدرسے کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے کی خاطر حسن علی آفندی نے ملک کے دورے کیے اور زیادہ امداد ریاست خیر پور کے نواب نے فراہم کی۔ نواب صاحب نے پرنسپل کی تنخواہ ادا کرنے اور مدرسہ کو سالانہ 12 ہزار روپے کی گرانٹ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ ایک انگریز مسٹر پرسی ہائیڈ (Mr. Percy Hide) کو 1897ء میں مدرسے کا پہلا یورپی پرنسپل مقرر کیا گیا۔ اس مدرسے سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں محمد علی جناحؒ، سر غلام حسین ہدایت اللہ اور اے۔ کے۔ بروہی وغیرہ شامل ہیں۔ مدرسے کے انتظامی بورڈ نے 1943ء میں مدرسے کو سندھ مسلم کالج بنا دیا گیا جس کا سنگ بنیاد قائداعظم محمد علی جناحؒ نے رکھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا ''مجھے بے حد خوشی ہے کہ میرا مادر علمی ادارہ اب کالج بن گیا ہے''۔ قائداعظمؒ نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ سندھ مدرسۃ الاسلام کے نام وقف بھی کیا تھا۔ اب یہ ادارہ یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور

اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور انجمن حمایت اسلام نے 1892ء میں قائم کیا۔ سب سے پہلے اس کالج نے شیرانوالا گیٹ والی عمارت (Sherawala Gate building) میں کام شروع کیا۔ یہ پنجاب کا ایک تاریخی کالج ہے۔ یہ کالج یہاں کے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے بنایا گیا۔ اس کالج کے طلبہ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور موثر کردار ادا کیا۔ بانی پاکستان قائد اعظمؒ نے اس کالج کا کئی بار دورہ کیا اور طلبہ سے خطاب بھی کیا۔ اس کالج کا حبیبیہ ہال (Habibia Hall) بہت مشہور ہے کیونکہ اس ہال میں تحریک پاکستان کے حوالے سے بہت سے سیمینار منعقد کیے گئے اور متعدد مسلم رہنماؤں نے یہاں طلبہ سے خطاب کیے۔ قائد اعظمؒ نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اس تعلیمی ادارے کے نام وقف بھی کیا تھا۔

اسلامیہ کالج۔ پشاور

صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) کے صاحبزادہ عبدالقیوم خاں نے علی گڑھ کالج کی طرز پر اسلامیہ کالج پشاور کا سنگ بنیاد رکھا اور نئے سرے سے مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت کے کام کا آغاز کیا۔ آپ کی کوششوں سے صوبہ کے مختلف علاقوں کے طلبہ حصول علم کے لیے یہاں آنے لگے۔ اسلامیہ کالج کے نامور طلبہ میں سردار عبدالرب نشتر اور ڈاکٹر عبدالجبار خاں کے نام قابل ذکر ہیں۔ قائد اعظمؒ کو اس ادارے سے بہت لگاؤ تھا۔ مسلمانوں میں قومی جذبہ کو بیدار کرنے میں اسلامیہ کالج پشاور نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ صاحبزادہ عبدالقیوم کو بجا طور پر ''صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) کا سرسید کہا جاتا ہے''۔

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد 1867ء میں بھارت کے ضلع سہارنپور کے ایک قصبے دیوبند میں رکھی گئی۔ یہ برصغیر میں برطانوی حکومت اور جدید تعلیم کا مخالف تھا۔ لوگوں کو روزگار کے قابل بنانے کے لیے دیوبند میں مختلف جدید فنون کی تربیت بھی دی جاتی تھی، جس میں طب کی تعلیم خاص طور پر اہم ہے۔ اس کے علاوہ خطاطی، جلد سازی اور کپڑا بننے کی مہارتیں سکھانے پر بھی توجہ دی گئی۔ دارالعلوم دیوبند نے برصغیر کے مسلمانوں کے علمی، مذہبی اور ثقافتی ورثے کا تحفظ کرنے کے لیے جدوجہد کی۔

ندوۃ العلما لکھنو

ندوۃ العلما لکھنو کو 1894ء میں سید محمد علی کانپوری نے لکھنو میں قائم کیا۔ آپ ہی اس ادارے کے ناظم اول بنے۔ مولانا شبلی نعمانی اور عبدالحق حقانی نے اس کے قواعد وضوابط ترتیب دیے۔ ندوۃ العلما کا خاکہ مرتب کرنے میں مولانا شبلی نعمانی کا اہم کردار تھا۔ اس ادارے میں جدید اور قدیم علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدائی کلاسوں میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ ہندی، سائنس اور انگریزی کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ ایک تعلیمی اور اصلاحی ادارہ ہے۔ اس ادارے سے فارغ التحصیل علما نے مسلمانوں میں بہتری لانے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس دارالعلوم نے سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی جیسے عالم اور محقق پیدا کیے۔ جدید تعلیم میں سرسید جدیدیت اور دارالعلوم دیوبند اس کے برعکس تھا جبکہ ندوہ العلما نے معتدل اور

درمیانی راستہ اختیار کر کے مسلمانوں کی بہت خدمت سرانجام دی۔

اہم نکات

-1 1863ء میں سرسید احمد خاں نے غازی پور میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی۔

-2 سرسید احمد خاں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی اردو اور انگریزی میں اشاعت شروع کی۔

-3 سرسید احمد خاں نے ولیم میور کی تحریر کی تردید میں خطبات احمدیہ تحریر کیے۔

-4 سردار عبدالرب نشتر اور ڈاکٹر عبدالجبار خاں اسلامیہ کالج پشاور کے نامور طلبہ تھے۔

-5 ندوۃ العلما لکھنو کے بانی اور ناظم اول مولوی سید محمد علی کانپوری تھے۔

-6 محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام 1886ء میں سرسید کی قیادت میں عمل میں لایا گیا تھا۔

-7 1884ء میں انجمن حمایت اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔

-8 1867ء میں بنارس شہر سے ہندی زبان کے لیے ایک تحریک اٹھی۔

-9 دارالعلوم دیوبند بھارت کے ضلع سہارنپور کے ایک قصبے ''دیوبند'' میں واقع ہے۔

-10 صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو بجا طور پر ''صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) کا سرسید کہا جاتا ہے''۔

مشقی سوالات

-1 درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-v سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی:

(الف) 1859ء (ب) 1861ء

(ج) 1863ء (د) 1865ء

-i سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے بانی کون تھے؟

(الف) مولانا ظفر علی خاں (ب) صاحبزادہ عبدالقیوم

(ج) قائداعظمؒ (د) حسن علی آفندی

-ii 1886ء میں قائم کی:

(الف) انڈین نیشنل کانگرس (ب) آل انڈیا مسلم لیگ

(ج) سائنٹیفک سوسائٹی (د) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

iv- دارالعلوم دیو بند کی بنیاد کس سن میں رکھی گئ؟

(الف) 1867ء (ب) 1869ء

(ج) 1871ء (د) 1873ء

iii- سرسید احمد خاں 17 اکتوبر 1817ء کو کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(الف) ڈھاکہ (ب) دہلی

(ج) ممبئ (د) بریلی

2- مختصر جوابات دیں۔

i- سرسید احمد خاں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی اشاعت کب شروع کی؟

ii- سرسید کی لکھی ہوئی دو کتب کے نام لکھیں۔

iii- ندوۃ العلما کے بانی کون تھے؟

iv- پانچ تعلیمی اداروں کے نام تحریر کریں، جو سرسید احمد خاں نے قائم کیے۔

v- سرسید احمد خاں کی دینی تعلیم کے لیے کوششوں کا تین سطروں میں تذکرہ کریں۔

3۔ درست جواب پر (✓) اور غلط جواب پر (×) کا نشان لگائیں۔

i- سرسید احمد خاں 1876ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

ii- 1943ء میں سندھ مدرسۃ الاسلام کو سندھ مسلم کالج بنا دیا گیا۔

iii- 1861ء میں سرسید احمد خاں نے مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ قائم کیا۔

iv- ندوۃ العلما لکھنو کو 1890ء میں سید محمد علی کانپوری نے لکھنو میں قائم کیا۔

v- دارالعلوم دیو بند بھارت کے ضلع سہارنپور میں واقع ہے۔

4 ۔ خالی جگہ مکمل کریں۔

i- سرسید احمد خاں نے 24 مئی ....کو ایم اے او ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔

ii- انجمن حمایت اسلام کی سرگرمیاں .... کی جدو جہد کا تسلسل تھیں۔

iii- اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور انجمن حمایت اسلام نے .... میں قائم کیا۔

iv- 1883ء میں انگریز حکومت نے لوکل کونسلوں کا..................متعارف کرایا۔

v- صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) کے صاحبزادہ عبدالقیوم خاں نے .... پشاور کا سنگ بنیاد رکھا۔

5۔ کالم 'الف' کو کالم 'ب' سے ملا کر درست جواب کالم 'ج' میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
1885ء میں کراچی میں	ناظم اول مولوی سید محمد علی کانپوری تھے۔	
انجمن حمایت اسلام کی بنیاد 1884ء میں	قانون ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔	
سرسید احمد خاں نے 1886ء میں	لاہور میں رکھی گئی۔	
سرسید احمد خاں 1878ء سے 1882ء تک	سندھ مدرسۃ الاسلام قائم کیا گیا۔	
ندوۃ العلما لکھنو کے بانی اور	محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔	

6- تفصیل سے جواب دیں۔

i- 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی اور تعلیمی حالات کا جائزہ لیں۔

ii- انگریزوں اور مسلمانوں کے مابین سرسید احمد خاں کے مفاہمتی کردار پر روشنی ڈالیں۔

iii- موجودہ پاکستان میں قائم ہونے والے جدید تعلیمی اداروں کی افادیت بیان کریں۔

iv- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے مقاصد اور کردار کی وضاحت کریں۔

v- مسلمانوں کی جدید تعلیم کے حوالے سے سرسید کی خدمات کا احاطہ کریں۔

vi- ایک معاشرتی مُصلح کی حیثیت سے سرسید احمد خاں کا کردار بیان کریں۔

سرگرمیاں

- سرسید احمد خاں کے کارناموں کے حوالے سے طلبہ کے درمیان ایک تقریری مقابلہ کرائیں۔
- سرسید کے قائم کردہ تعلیمی اداروں کی سن کی ترتیب کے لحاظ سے فہرست بنائیں۔
- طلبہ اپنے کمرہ جماعت میں اس سبق کے واقعات کی افادیت پر ایک گفتگو کریں اور نتائج کاپی پر لکھیں۔

باب 3

برطانوی ہندوستان میں سیاسی بیداری

(Political Awakening in British India)

حاصلاتِ تعلم: Students Learning Outcomes

اس باب کے مطالعے سے طلبہ اس قابل ہوجائیں گے کہ وہ:

- انڈین نیشنل کانگرس (1885ء) کے قیام کا پس منظر و مقاصد اور بحیثیت ہندو نمائندہ جماعت کے کردار پر گفتگو کرسکیں۔
- تقسیم بنگال (1905ء)، اس کا پس منظر، کانگرس کا احتجاج، سودیشی تحریک (Swadeshi Movement) کا آغاز اور مسلمانوں کا ردعمل بیان کرسکیں۔
- برطانیہ کے کیے ہوئے وعدے اور طے شدہ اصول سے انکار اور تقسیم کے خاتمے کے اعلان کے متعلق وضاحت کرسکیں۔
- شملہ وفد 1906ء، جداگانہ انتخابات کا مطالبہ اور مسلم لیگ کے قیام 1906ء پر بحث کرسکیں۔
- کانگرس اور مسلم لیگ کا 1920ء تک اتحاد اور معاہدہ لکھنو 1916ء پر گفتگو کرسکیں۔
- اتحاد عالم اسلامی کی تحریک کا برصغیر میں آغاز اور تحریکِ خلافت کی وضاحت کرسکیں۔
- تحریک ہجرت اور تحریک ریشمی رومال پر بحث کرسکیں۔
- گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر کی زیرِ قیادت تحریک سول نافرمانی اور اس کے ہندو مسلم اتحاد پر اثرات بیان کرسکیں۔
- دوعملی نظام کی نمایاں خصوصیات، اس کے پنجاب اور بنگال میں اثرات بیان کرسکیں۔
- ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے طور پر قائداعظمؒ کا کردار بیان کرسکیں۔

انڈین نیشنل کانگرس

اے۔او۔ہیوم

مسٹر اے-او- ہیوم (A.O.Hume) انڈین سول سروس کے ایک اعلیٰ عہدیدار رہ چکے تھے۔ ابھی اے۔او ہیوم سرکاری ملازم تھا کہ اس کو 1879ء میں یہ خیال آیا کہ برصغیر کی سیاسی بے چینی، عوام کی اقتصادی مشکلات اور بڑھتی ہوئی سازشیں کہیں 1857ء کی جنگ آزادی کی صورت اختیار نہ کریں۔ مسٹر ہیوم نے سوچا کہ ملک میں کسی ایسے ادارے کی ضرورت ہے، جس کے ذریعے عوام اپنے خیالات کا اظہار کرسکیں۔ اس سلسلے میں اس نے 1885ء میں انڈین نیشنل کانگرس

کیا آپ جانتے ہیں کہ 1886ء میں سرسید احمد خاں نے برصغیر میں برٹش انڈین ایسوسی ایشن قائم کی اور مرکزی قانون ساز کونسل میں ہندوستانیوں کی نمائندگی کا مطالبہ کیا۔

قائم کی۔ اس کا پہلا اجلاس 28 دسمبر 1885ء کو گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں 70 نمائندوں نے شرکت کی۔ ان میں سے صرف 2 مسلمان تھے۔ پہلے اجلاس میں کانگرس نے اپنے مقاصد کا ذکر بھی کیا جو درج ذیل تھے:

کانگرس کے ابتدائی مقاصد

1. برصغیر کی تمام اقوام کو ایک قومیت میں منسلک کرنا۔
2. سماجی، سیاسی، ذہنی اور اخلاقی میدان میں عوام کی از سرِ نو تربیت کرنا۔
3. برصغیر کے عوام کے خلاف ناانصافیوں کا ازالہ کرنا۔
4. مفادِ عامہ کے لیے ذرائع کا تعین کرنا۔

کانگرس بحیثیت ہندو جماعت

کانگرس کا دعویٰ تھا کہ وہ سارے برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اس نے برطانوی حکومت کو بھی یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ کانگرس کو تمام اقوام کی حمایت حاصل ہے لیکن درحقیقت یہ پارٹی ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کرتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور کانگرس کے مطالبات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ صرف ہندو مفادات کی ترجمان ہے۔ جب تشدد پسند ہندوؤں نے مسلمانوں کو برصغیر سے نکالنے کی کوشش کی تو کانگرس نے ان کا ساتھ دیا۔ جب بال گنگا دھر تلک نے مسلمانوں کے خلاف تحریک کا آغاز کیا تو کانگرس نے اس کی حمایت کی۔ جب حکومت نے اردو کی جگہ ہندی زبان کو اپنایا تو کانگرس نے ہندی کی حمایت کی۔ حکومت نے انتظامی بہتری کے لیے 1905ء میں بنگال کو تقسیم کیا تو کانگرس نے تقسیم کی مخالفت کی کیونکہ تقسیم سے مسلمانوں کو فائدہ ہوسکتا تھا۔

سرسید احمد خاں کو جب یقین ہوگیا کہ کانگرس کی پالیسیاں مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہیں تو آپ نے کانگرس کی مخالفت شروع کر دی۔ سرسید نے کانگرس کی اس تجویز کی بھی مخالفت کی کہ وائسرائے کی کونسل میں انتخابات کے ذریعے نمائندے لیے جائیں۔ جب 1892ء کے ایکٹ کے تحت قانون ساز کونسل کے لیے نصف ارکان بذریعہ نامزدگی اور نصف ارکان بذریعہ انتخاب لیے گئے تو ایک بھی مسلمان نہ منتخب کیا گیا نہ نامزد۔ کانگرس کا یہ مطالبہ بھی مسلمانوں نے مسترد کر دیا کہ سرکاری ملازمتوں کو مقابلے کے امتحان کے ذریعے پُر کیا جائے کیونکہ اس سے بھی فائدہ پڑھے لکھے ہندوؤں کو ہونا تھا اور مسلمان ان ملازمتوں سے محروم رہ جاتے۔ 1909ء میں جب مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملا تو ہندوؤں نے اسے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی انگریز سازش قرار دیا، مگر 1919ء میں جب یہ حق سکھوں کو ملا تو ہندو خاموش رہے جس سے یہ واضح ہوا کہ کانگرس صرف مسلم دشمنی پر تلی ہوئی تھی۔

تقسیم بنگال (1905ء)

پس منظر

بیسویں صدی کے اوائل میں بنگال آبادی اور رقبے کے لحاظ سے برصغیر کا سب سے بڑا صوبہ تھا۔ اس میں بنگال کے علاوہ بہار، اڑیسہ اور آسام کے علاقے بھی شامل تھے۔ اس کے باوجود اسے مدراس و بمبئی کی طرح مکمل صوبے کے درجے کے اختیارات حاصل نہ تھے۔ کئی حکام نے مختلف مواقع پر اس کا رقبہ کم کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ 1874ء میں آسام کے تین اضلاع یعنی سلہٹ، گولپارہ اور کچھار کو بنگال سے علیحدہ کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود اس کی آبادی پر کوئی خاص فرق نہ پڑا۔ 1892ء میں چٹاگانگ کے کمشنر نے مشرقی بنگال کا علیحدہ صوبہ بنانے کی تجویز پیش کی لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا۔ 1899ء میں وائسرائے کرزن کی آمد سے یہ مسئلہ ایک مرتبہ پھر اہمیت اختیار کر گیا۔ کرزن انتظامی معاملات کو بہتر کرنا چاہتا تھا۔

لارڈ کرزن

1901ء میں اڑیہ زبان بولنے والے لوگوں کو جو بنگال سنٹرل صوبہ جات اور مدراس میں تقسیم تھا، ایک انتظامیہ کے تحت اکٹھا کرنے کی سفارش کی گئی۔ تجویز مختلف محکموں سے ہوتی ہوئی جب کرزن کے پاس پہنچی تو اس نے برار کے الحاق کے بعد متعلقہ صوبوں کی حدود پر دوبارہ غور کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ 1903ء میں برار سنٹرل صوبہ جات اور اڑیہ بولنے والوں کو اڑیسہ میں شامل کر کے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کانگرس نے اس کی سخت مخالفت کی۔ کرزن نے مشرقی اضلاع کے لوگوں کو تقسیم کے فوائد سے آگاہ کرنے کے لیے ان علاقوں کا دورہ کیا۔ چنانچہ 1905ء میں بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مشرقی بنگال میں مسلمانوں اور مغربی بنگال میں ہندوؤں کو اکثریت حاصل تھی۔

تقسیم بنگال کے اسباب

تقسیم کے فیصلے کی بنیادی وجہ انتظامی تھی۔ اس وقت متحدہ بنگال کا رقبہ تین لاکھ دو ہزار چار سو مربع کلومیٹر جبکہ آبادی سات کروڑ اسی لاکھ تھی۔ مشرقی اضلاع کے معاشی حالات اچھے نہ تھے۔ صوبے کی آمدنی کا زیادہ حصہ مغربی اضلاع پر صرف ہو جاتا تھا، اس لیے دونوں حصوں کے معاشی حالات میں نمایاں فرق پایا جاتا تھا۔ کرزن کے مطابق تقسیم کے فیصلے کا مقصد انتظامی معاملات کو بہتر بنانا اور مشرقی اضلاع کے لوگوں کو ترقی و انصاف کے مواقع فراہم کرنا تھا۔

ہندوؤں کا ردعمل

ہندوؤں نے تقسیم کی سخت مخالفت کی۔ اگست 1905ء میں انھوں نے کلکتہ میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا جس میں اس کی بھرپور مخالفت کے علاوہ سودیشی تحریک شروع کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اس تحریک کا مقصد انگریزی مال کا بائیکاٹ اور اس کی جگہ برصغیر کی اشیا کے استعمال کو فروغ دینا تھا۔ ہندوؤں نے 16 اکتوبر کا دن قومی سوگ کے طور پر منایا۔ اس روز انھوں نے مکمل

ہڑتال کی۔کئی جگہوں پر جلسے بھی منعقد کیے۔

اس کے برعکس مشرقی بنگال میں تقسیم سے ترقی کے امکانات کے پیش نظر مسلمانوں نے اطمینان وخوشی کا اظہار کیا۔انھوں نے سودیشی تحریک میں بھی حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو ساتھ ملانے کے لیے کئی حربے استعمال کیے، مثلاً مزارعین کو ہراساں کیا گیا اور ساہوکاروں نے انھیں قرضے دینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے حکومت پر بھی سخت دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔جس کی وجہ سے دونوں صوبوں میں امن وامان کا شدید مسئلہ پیدا ہوگیا۔ ہندوؤں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کانگرس نے بھی ان کی مکمل حمایت کی اور مسلمانوں پر حکومت کا آلۂ کار بننے کا الزام بھی عائد کیا۔اس سے دونوں اقوام کے درمیان اختلافات میں اضافہ ہوا۔ چند مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات بھی ہوئے۔ ہندو نوجوانوں نے کئی جگہوں پر پر تشدد کارروائیاں بھی کیں۔ان کارروائیوں میں مسلمانوں کے علاوہ انگریزوں پر بھی حملے کیے گئے۔

تقسیم بنگال کے خاتمے کا اعلان

برطانیہ میں لبرل پارٹی کی نئی منتخب حکومت تقسیم سے پیدا ہونے والی بدامنی اور سیاسی بے چینی سے مطمئن نہ تھی۔اس کے کئی ارکان کانگرس کے حامی تھے،جنھوں نے حکومت کو اس مسئلے پر دوبارہ غور کرنے کا مشورہ دیا۔ برطانوی شہنشاہ جارج پنجم نے تخت نشینی کے بعد 1911ء میں برصغیر کا دورہ کیا۔اس نے 12دسمبر 1911ء کو دہلی میں شاہی دربار کے موقع پر تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان جاری کیا۔اعلان کے مطابق مشرقی اور مغربی بنگال کو متحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔

تقسیم بنگال کے خاتمے سے مسلمانوں کو سخت مایوسی ہوئی کیونکہ برطانوی حکام نے کئی مواقع پر انھیں تقسیم کو برقرار رکھنے کا یقین دلایا تھا۔ انھوں نے ہندوؤں کی مخالفت کے باوجود انتظامیہ سے مکمل تعاون اور وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا۔انھوں نے اس اعلان کو بدترین عہد شکنی قرار دیا۔

تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال میں بسنے والی مسلمان اکثریت نے اپنے معاشی حالات بہتر بنانے کے لیے جو امیدیں وابستہ کر لی تھیں تنسیخ تقسیم بنگال سے ان کا خاتمہ ہوگیا۔اس کے علاوہ ہندوؤں کی مسلم دشمنی اور انگریزوں کے ہندوؤں کے دباؤ میں آ کر تقسیم بنگال کو منسوخ کرنے سے مسلمانوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا۔

شملہ وفد 1906ء اور جداگانہ انتخابات کا مطالبہ

شملہ وفد

تقسیم بنگال کے سبب ہندو، انگریزوں سے سخت ناراض تھے کیونکہ انگریزوں نے تقسیم بنگال ہندوؤں اور کانگرس کی مرضی کے خلاف کی تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے ہندوؤں اور کانگرس کو خوش کرنے کے لیے ملک میں سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کا اعلان کیا۔زیادہ تر مسلمان ووٹ دینے کے اہل نہ تھے۔ ہندو ووٹر کسی مسلمان کو ووٹ نہیں دیتے تھے۔لہٰذا مسلم صوبوں کی کونسلوں میں بھی مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ نئی اصلاحات سے ہندوؤں کا سیاسی اختیار بڑھنے کا خدشہ تھا اور مسلمان

سر آغا خاں

اپنے حقوق سے بدستور محروم رہتے۔ چنانچہ سر آغا خاں، مسلمان رہنماؤں کا وفد لے کر یکم اکتوبر 1906ء کو وائسرائے لارڈ منٹو سے شملہ میں ملے۔ تاریخ میں اس کو شملہ وفد کا نام دیا جاتا ہے۔ وفد کے اہم مطالبات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(الف) مسلمانوں کو مجلس قانون ساز میں علیحدہ نشستیں دی جائیں اور ان نشستوں کے انتخابات کے لیے ووٹ دینے کا حق صرف مسلمانوں کو حاصل ہو۔ اس طرح ملک میں جداگانہ طرز انتخاب نافذ کیا جائے۔

(ب) مسلمانوں کی سیاسی اہمیت کے پیش نظر انھیں مجالس قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں میں آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔

وائسرائے نے وفد کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کی حفاظت کی جائے گی۔ اس نے مسلمانوں کے دونوں مذکورہ مطالبات درست اور جائز سمجھتے ہوئے انھیں تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔ شملہ وفد کی کامیابی سے مسلمانوں کو اپنی بہتری کے لیے مزید سوچنے اور آگے بڑھ کر حقوق حاصل کرنے کا حوصلہ ملا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام 1906ء

مسلمان رہنماؤں کا ایک نمائندہ اجتماع اکتوبر 1901ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ جس میں طے پایا کہ مسلمانوں کے سیاسی اور معاشرتی حقوق کی حفاظت کے لیے ایک تنظیم قائم کی جائے۔ چنانچہ ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ کسی مناسب وقت پر تمام صوبوں کے مسلمان نمائندوں کا اجلاس بلانے کا اہتمام کرے۔ اس وقت تو نمائندہ اجلاس کا اہتمام نہ ہو سکا لیکن شملہ وفد کی کامیابی نے مسلمانوں کو اپنی علیحدہ جماعت کی تشکیل کی طرف متوجہ کیا، جو قومی سطح پر مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔

نواب وقار الملک

دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس میں برصغیر کے اہم مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی۔ کانفرنس میں تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی جماعت کی تشکیل کے بارے میں بھی تبادلہ خیال کیا گیا۔ کانفرنس کے اختتام پر 30 دسمبر 1906ء کو نواب وقار الملک کی صدارت میں ایک خصوصی اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں نواب سلیم اللہ خاں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد پیش کی جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔ اس قرارداد کے مطابق مسلم لیگ کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے:

(الف) برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کی حفاظت کرنا۔

(ب) مسلمانوں میں برطانوی حکومت کے لیے مفاہمت اور وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا۔

(ج) برصغیر کی دوسری اقوام سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور اتحاد کی راہیں ہموار کرنا۔

مسلم لیگ کا قیام برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ یہ مسلمانوں کے سیاسی میدان میں داخل ہونے کا نقطۂ آغاز تھا۔ مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ملک کی سیاست میں بھر پور حصہ لینے لگے۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض پورا کیا اور اس نے حکمرانوں کے سامنے ان کی صحیح ترجمانی کی۔

مسلم لیگ نے اپنے قیام کے بعد مسلمانوں کی بڑی خدمت کی۔ اس کی کوشش سے انگریزوں نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کیا اور اسے منٹو، مارلے اصلاحات 1909ء میں شامل کرلیا۔ اس طرح انگریزوں نے مسلمانوں کے الگ قومی وجود کو بڑی حد تک مان لیا۔ اب مسلمانوں پر سرکاری ملازمت میں جانے سے متعلق پابندیاں ختم کردی گئیں۔ انھیں سرکاری عہدے بھی ملنے لگے۔ ایک مسلمان کو وائسرائے کی کونسل میں بھی لے لیا گیا۔ حکومت نے مسلم اوقاف کے قانون کی منظوری بھی دے دی۔ اس طرح مختلف شعبہ جات زندگی میں مسلمانوں کی پوزیشن پہلے سے بہتر ہونا شروع ہوگئی۔ اس طرح مسلم لیگ ایک طرف تو مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کرتی رہی اور دوسری جانب اس نے مخالفوں سے بھی گفت و شنید جاری رکھی۔

میثاق لکھنؤ 1916ء

پہلی جنگ عظیم (1914ء - 1918ء) سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی افکار میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ دونوں قوموں کے لیڈروں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر وہ جنگ کے خاتمے پر حکومت سے زیادہ مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انھیں ایک دوسرے سے تعاون کر کے متفقہ مطالبات پیش کرنے چاہییں۔ چنانچہ مسلم لیگ اور کانگرس کے لیڈر ایک دوسرے سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ قائداعظمؒ اس وقت کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کے رکن تھے۔ ان کی کوششوں سے 1915ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کے اجلاس بیک وقت بمبئی (ممبئی) میں منعقد ہوئے۔ دونوں سیاسی جماعتوں نے مشترکہ مفاد کی باتوں پر غور کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1916ء میں دونوں سیاسی جماعتوں کا مشترکہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر دونوں جماعتوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جو تاریخ میں ''میثاق لکھنؤ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدے کی اہم دفعات درج ذیل ہیں۔

(i) کانگرس نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کرلیا۔

(ii) کانگرس، مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی دینے پر رضامند ہوگئی۔

(iii) اصول توازن پر عمل درآمد کے سلسلے میں دونوں جماعتوں میں اتفاق ہوگیا۔ اس اصول کا مقصد یہ تھا کہ جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں دی جائیں اور جن علاقوں میں ہندو یا سکھ اقلیت میں ہیں وہاں انھیں زیادہ نشستیں دی جائیں۔

(iv) مرکزی یا صوبائی اسمبلی میں کوئی غیر سرکاری ممبر کسی دوسری قوم سے متعلق قرارداد یا بل پیش نہیں کرسکے گا اور نہ ہی ایسا بل منظور کیا جائے گا جب تک اسے متعلقہ قوم کے تین چوتھائی ارکان کی حمایت حاصل نہ ہو۔

معاہدہ لکھنؤ دو قومی نظریے کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ اس کی رو سے ہندوؤں نے مسلمانوں کو ایک الگ قوم اور مسلم لیگ

کومسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا تھا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے تمام مطالبات تسلیم کرلیے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اتحاد کی فضاء قائم ہوگئی اور دونوں نے مل کر مشترکہ مفادات کے لیے جدوجہد کا آغاز کردیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین یہ پہلا اور آخری سیاسی سمجھوتہ تھا۔ اس کے بعد وہ پھر کسی بات پر اتفاق نہ کرسکے۔ اسی معاہدے کی بدولت قائداعظمؒ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کہلائے۔

تحریک اتحاد عالم اسلامی (Pan Islamic Movement)

جمال الدین افغانی

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کے چند مفکرین نے مسلم اتحاد کے جذبے کے تحت ایک تحریک کا آغاز کیا جس کو تحریک اتحاد عالم اسلامی (Pan Islamic Movement) کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کا آغاز جمال الدین افغانی نے افغانستان سے کیا اور انھوں نے ہندوستان، مصر، عرب، ترکی اور فرانس کا سفر کیا۔ اس تحریک سے متاثر ہو کر مصر سے محمد عبدہٗ نے بھی اس کوشش کو آگے بڑھایا، جنھیں ملک بدر کردیا گیا۔ وہ شام سے ہوتے ہوئے فرانس پہنچے جہاں وہ جمال الدین افغانی کے اخبار کے ایڈیٹر بن گئے۔

تحریک اتحاد عالم اسلامی میں علامہ محمد اقبالؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا اور پاکستان کا تصور دیا۔ علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری میں اسلام کی آفاقیت اور مسلمانوں میں اتحاد کا پیغام موجود ہے۔

تحریک ریشمی رومال

1915-16ء میں کچھ طلبہ اور سیاسی کارکن آزادی ہند کے لیے کام کرنے کی غرض سے افغانستان پہنچے ان میں مولانا عبیداللہ سندھی بھی شامل تھے۔ اس کے بعد ہندوؤں، جرمنوں اور ترکوں پر مشتمل ایک اور وفد بھی کابل پہنچا جس کا مقصد افغان حکومت کو برصغیر پر حملے کرنے کے لیے تیار کرنا تھا۔

عبیداللہ سندھی جو کابل میں مجاہدین کی قیادت کررہے تھے، نے حجاز میں مقیم محمودالحسن کو ایک ریشمی رومال پر خفیہ پیغام لکھ کر بھیجا۔ جس میں انھوں نے اپنی تمام جہادی سرگرمیوں سے آگاہ کیا اور یہ بتایا کہ افغان حکومت برصغیر پر حملہ کرنے کی تیاری کررہی ہے۔ یہ رومال شیخ عبدالحق کو دیا گیا کہ وہ اس کو حجاز میں مقیم محمودالحسن تک کسی خاص شخص کے ذریعے پہنچائے، لیکن یہ رومال حکومت کے کارندوں کے ہاتھ لگ گیا۔ جس سے یہ سازش کھل کر حکومت کے سامنے آگئی اور حکومت نے بروقت اقدام اٹھا کر اس سازش کو ناکام بنادیا۔ اس لیے اس تحریک کو تحریک ریشمی رومال کہتے ہیں۔

تحریک خلافت

خلافت عثمانیہ مسلمانوں کی ایک بڑی سلطنت تھی۔ اس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جیسے مقدس مقامات بھی شامل تھے۔ اس طرح سلطان ترکی کے لیے جو خلیفہ بھی کہلاتے تھے، مسلمانوں کے دلوں میں بڑی عقیدت تھی۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے انگریزوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا۔ شریف مکہ اور دوسرے کئی مقامی خاندان انگریزوں سے مل گئے تھے۔ خطرہ تھا کہ کہیں انگریز جنگی کارروائیوں کے دوران مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی نہ کریں۔ چنانچہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے انگریز حکمرانوں سے اس سلسلے میں وضاحت چاہی۔ انگریزوں نے یقین دلایا کہ مسلمانوں کے مقدس مقامات محفوظ رہیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

اس صورت حال سے برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے۔ انھوں نے ترکوں کی حمایت میں تحریک چلائی جو تاریخ میں تحریک خلافت کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ مجلس خلافت کا قیام ستمبر 1919ء کو عمل میں لایا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کی علاقائی سالمیت و خلافت برقرار رہے اور مقامات مقدسہ اس کے پاس رہیں۔ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمان ایک عظیم اور پر جوش تحریک چلا رہے ہیں تو گاندھی نے انگریز کی مخالفت میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ وہ محض مسلمانوں کی توانائی کو ہندو مقاصد اور ذاتی شہرت کے حصول کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ تحریک میں مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی پیش پیش تھے۔ دونوں بھائی علی برادران کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت منظم انداز سے اپنے زوروں پر تھی کہ گاندھی نے اچانک تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس سے مسلمانوں کو دھچکا لگا۔ 1924ء میں ترکی کے سربراہ کمال اتاترک نے خلیفہ کے عہدے کو ہی ختم کر دیا۔

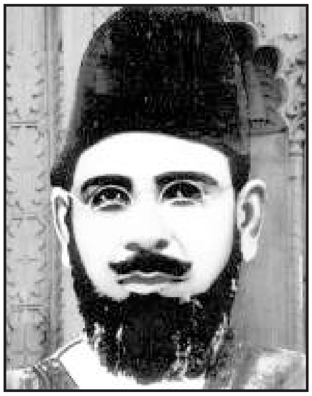

مولانا محمد علی جوہر

تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتحاد بہت مثالی رہا۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے خوب نعرے لگے اور دونوں ایک ہی گلاس سے پانی پینے لگے مگر اس تحریک کے خاتمے کے بعد ہندوؤں کی مسلمان دشمنی پلٹ آئی۔

تحریک ہجرت

تحریک ہجرت، تحریک خلافت کا ہی ایک حصہ تھی۔ کچھ مسلمان علما نے فتویٰ دیا کہ برصغیر دارالحرب ہے، لہٰذا مسلمان ہجرت کر کے افغانستان چلے جائیں۔ یہ تحریک 1920ء میں شروع ہوئی اور چند ماہ تک بڑی شدت سے جاری رہی۔ اس کے تحت ہزاروں مسلمانوں نے اپنا مال و اسباب بیچ کر افغانستان ہجرت کرنا شروع کر دی۔ افغان حکومت نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجے میں انھیں واپسی کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس طرح یہ تحریک چند ماہ کے بعد ختم ہوگئی۔

سول نافرمانی کی تحریک

تحریک خلافت کا زمانہ تھا۔مسلمان لیڈر جیلوں میں جا چکے تھے۔ ہندو موہن داس کرم چند گاندھی کی قیادت میں مسلمانوں کی مدد کے لیے آگے قدم بڑھا چکے تھے۔گاندھی بہت موقع شناس لیڈر تھا، لہٰذا اس نے برطانوی انتظامیہ کو بے بس کرنے کا پروگرام بنایا اور برطانوی مال اور اداروں کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا۔گاندھی نے اعلان کیا کہ تمام ہندوستانی حکومت کی نوکریاں چھوڑ دیں۔عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیں۔طلبہ تعلیمی اداروں کو خیر باد کہہ دیں اور آنے والے انتخاب کا بھی بائیکاٹ کر دیں۔حکومت کو ٹیکس نہ دیں اور تمام القابات حکومت کو واپس کر دیں۔ساتھ ہی گاندھی نے اعلان کیا اگر ہندوستانی یہ کام متحد ہو کر پورے نظم کے ساتھ کریں تو ایک سال میں وہ حکومت خود اختیاری حاصل کر لیں گے۔

گاندھی کی شخصیت نے ہندوؤں کے جذبات کو خوب ابھارا جبکہ مسلمان اس سے پہلے تحریک خلافت کی وجہ سے مشتعل تھے کانگرس کلکتہ کے اجلاس میں گاندھی کی قیادت پر بھرپور اعتماد کا اظہار کر چکی تھی، بلکہ ناگپور کے دسمبر 1920ء کے اجلاس میں دوبارہ عدم تعاون کی قرارداد کو پاس کیا۔مسلمانوں نے سول نافرمانی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،۔انتخاب کا بائیکاٹ کیا۔اکثر مسلمان اُمیدواروں نے اپنے کاغذات واپس لے لیے۔مسلمانوں نے عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیا اور متعدد مسلمانوں نے اپنے بچوں کو سکولوں اور کالجوں سے اُٹھا لیا اور سرکاری نوکریاں چھوڑ دیں۔اور تمام سرکاری القابات بھی واپس کر دیے۔ ہزاروں مسلمان جیلوں میں چلے گئے۔قائداعظمؒ مسلمانوں کی تعلیم، ملازمتوں اور پرامن سرگرمیوں کو تباہ کرنے کے خلاف تھے۔وہ خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے خلاف تھے،مگر پُر تشدد طریقہ اور مسلم مفادات کو ہندو ہاتھوں میں تباہ ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

دوعملی نظام (Dyarchy)

برطانوی حکومت نے پہلی بار 1919ء کے ایکٹ کے تحت صوبوں میں دوعملی نظام کا آغاز کیا۔دوعملی نظام کا مطلب ہے دوہری حکومت جو دو با اختیار اداروں کے تحت کام کرے یعنی ایگزیکٹو کونسل (Executive Council) اور وزرا کی کونسل (Council of Ministers) میں حکومت کے اختیارات کو تقسیم کرنا۔دوعملی نظام کے تحت صوبوں کے تمام محکموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، جن کے نام ''محفوظ'(Reserved)،اور ''منتقلہ (Transferred) '' رکھے گئے۔

محفوظ محکموں کو گورنر کی انتظامی کونسل اور منتقلہ محکموں کو وزرا کی کونسل کے دائرہ اختیار میں دیا گیا۔محفوظ، یعنی پولیس، امن عامہ، انصاف اور آبپاشی کے محکموں کے چلانے کی ذمہ داری گورنر اور اس کی انتظامی کونسل (Executive Council) کی تھی۔کونسل کے ارکان کا انتخاب گورنر کرتا تھا اور وہ گورنر کو ہی جوابدہ ہوتے تھے۔

منتقلہ ،یعنی مقامی حکومتیں ،صحت ،تعلیم ، زراعت اور کوآپریٹو کے محکموں کے چلانے کی ذمہ داری وزرا کی کونسل (Council of Ministers) کی تھی جن کو متعلقہ گورنر،صوبوں کی کونسل میں سے منتخب کرتا تھا۔وہ ایک سے زیادہ محکموں کے انچارج ہوتے تھے اوروہ گورنر اورصوبائی کونسل کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے۔پنجاب اور بنگال بڑے صوبے تھے۔

اثرات

دوعملی کا نظام صوبوں میں کامیاب نہ ہوسکا۔اس تجربے کا بُرا اثر پنجاب اور بنگال پر پڑا کیونکہ یہ دونوں بڑے صوبے تھے۔پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی دوعملی نظام اس صوبہ میں بُری طرح ناکام رہا۔بنگال بھی مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ تھا یہاں بھی اس نظام نے کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں کیے۔لہٰذا اس نظام کے تحت صوبہ بنگال کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے اور انتظامی معاملات بھی بُری طرح متاثر ہوئے۔نظام کی خرابی کا اثر انتظامی مشینری پر بھی ہوا،جس سے عوام کے مسائل میں اضافہ ہوا۔یہ ایک پیچیدہ نظام تھا،جس نے جمہوری اداروں اور انتظامیہ کی کارکردگی پر منفی اثرات مرتب کیے۔

قائداعظمؒ بحیثیت سفیر ہندو مسلم اتحاد

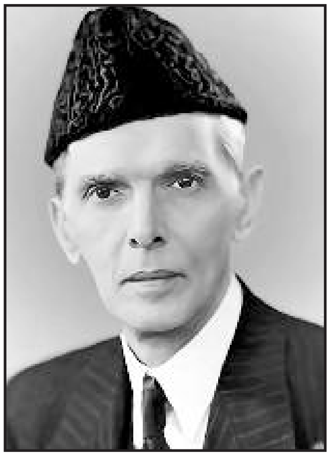
قائداعظمؒ

تحریک خلافت کے بعد مسلم سیاست ایک نئے روپ میں سامنے آئی۔مذہبی لوگوں کی سیاست میں شمولیت اور ہندو بدعہدی نے مسلم سیاست میں قائداعظمؒ کی سیاسی دانشمندی کو اجاگر کیا۔ہندو فرقہ پرست بہت تیز ہوگئے تھے۔قائداعظمؒ نے 1924ء میں مسلم لیگ کو دوبارہ فعال کیا اور ہندو مسلم اتحاد کی بھرپور کوشش شروع کردی۔کانگرس اور مسلم لیگ نے ایک اصلاحی کمیٹی قائداعظمؒ کی سربراہی میں قائم کی جس کو ہندو مسلم کے باہمی اور آئینی مسائل کے حل کا اختیار دیا،جس نے کلکتہ اور لکھنؤ میں کئی اجلاس منعقد کیے اور کئی تجاویز پر متفق ہوگئے۔اس سلسلے میں قائداعظمؒ کا کردار مرکزی تھا۔اسی بنا پر قائداعظمؒ کو مسز سروجنی نائیڈو نے ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کی خاطر آپ نے مسلمانوں کو حق جداگانہ انتخاب مشروط طور پر ترک کرنے پر آمادہ کرلیا اور 20 مارچ 1927ء دہلی مسلم تجاویز شائع کیں جن کا ابتدا میں کانگرس نے خیر مقدم کیا۔ان تجاویز کی وجہ سے دوسال تک مسلمان لیڈروں میں اختلافِ رائے رہا۔قائداعظمؒ ثابت قدم رہے مگر نہرو رپورٹ میں ان تجاویز کو جس طرح رد کیا گیا،اس نے ہندو مسلم اتحاد کو منتشر کردیا۔آخرکار قائداعظمؒ کو کہنا پڑا کہ ''اب ہمارے راستے جدا جدا ہوگئے ہیں''۔وہ ہندو مسلم اتحاد کے خاتمے سے بے حد مایوس ہوگئے۔

اہم نکات

1- 1886 میں سر سید احمد خاں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن قائم کی ۔

2- انڈین نیشنل کانگرس کا قیام 1885ء میں عمل میں آیا۔

3- تنسیخ تقسیمِ بنگال پر مسلمانوں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔

4- شملہ وفد کا اہم مقصد جداگانہ انتخاب کا حق مانگنا تھا۔

5- مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں عمل میں آیا۔

6- قائداعظمؒ نے بحیثیت سفیر ہندو مسلم اتحاد میں اہم کردار ادا کیا۔

7- تحریک اتحاد عالم اسلامی (Pan Islamic Movement) کا آغاز جمال الدین افغانی نے افغانستان سے کیا۔

8- تحریکِ خلافت میں محمد علی جوہر کا اہم کردار تھا۔

9- قائداعظمؒ، گاندھی کی سول نافرمانی کی تحریک کے حق میں نہ تھے۔

10- دوعملی کا نظام صوبوں میں کامیاب نہ ہوسکا۔

مشقی سوالات

1۔ چار جوابات میں سے درست جواب پر ✓ کا نشان لگائیں۔

1- مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا:

(الف) 1900ء　　(ب) 1906ء

(ج) 1910ء　　(د) 1916ء

2- تحریک خلافت میں اہم کردار کس نے ادا کیا؟

(الف) قائداعظمؒ　　(ب) سر سید احمد خاں

(ج) مولانا ظفر علی خاں　　(د) مولانا محمد علی جوہر

3- 1885ء میں انڈین نیشنل کانگرس کا قیام کس شہر میں عمل میں آیا؟

(الف) دہلی　　(ب) بمبئی

(ج) لاہور　　(د) کلکتہ

-4 تقسیمِ بنگال کی تنسیخ کا علان کس سن میں ہوا؟

(الف)1911ء (ب)1913ء

(ج) 1915ء (د)1917ء

-5 شملہ وفد کس وائسرائے سے ملا؟

(الف)لارڈ کیننگ (ب)لارڈ کرزن

(ج) لارڈ منٹو (د)لارڈ رپن

-2 درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

-i تحریک خلافت سے کیا مراد ہے؟

-ii دوعملی کا نظام کب شروع کیا گیا؟

-iii مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد لکھیں۔

-iv سول نافرمانی کی تحریک کیوں شروع کی گئی؟

-v تحریک ریشمی رومال سے کیا مراد ہے؟

3۔ درست بیان کے سامنے (✓) اور غلط بیان کے سامنے (x) نشان لگائیں۔

-i مسٹر اے-او-ہیوم انڈین سول سروس کے ایک اعلیٰ عہدیدار تھے۔

-ii 1892ء میں چٹا گانگ کے کمشنر نے مشرقی بنگال کا علیحدہ صوبہ بنانے کی تجویز پیش کی۔

-iii تقسیم بنگال 1908ء میں ہوئی۔

-iv اتحاد عالمِ اسلام کی تحریک میں قائداعظمؒ نے اہم کردار ادا کیا۔

-v تحریکِ خلافت میں محمد علی جوہر کا اہم کردار تھا۔

4۔ خالی جگہ پر کریں۔

-i دوعملی نظام.................. میں کامیاب نہ ہوسکا۔

-ii تنسیخ تقسیم بنگال پر.................. نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔

-iii قائداعظمؒ نے بحیثیت سفیرِ ہندو مسلم.................. میں اہم کردار ادا کیا۔

-iv قائداعظمؒ، گاندھی کی.................. کی تحریک کے حق میں نہ تھے،

-v دسمبر 1906ء میں.................. میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔

5۔ کالم 'الف' کو کالم 'ب' سے ملا کر درست جواب کالم 'ج' میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
تحریک خلافت	1885ء	
کانگرس کا قیام	1916ء	
مسلم لیگ کا قیام	1905ء	
تقسیم بنگال	ڈھاکہ	
معاہدہ لکھنو	مولانا محمد علی جوہر	

6- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

i- مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر بیان کریں۔

ii- معاہدہ لکھنو کے اہم نکات بیان کریں۔

iii- قائداعظمؒ کا کردار بحیثیت سفیر ہندو مسلم اتحاد بیان کریں۔

iv- برصغیر میں شروع ہونے والی تحریکِ خلافت کی وضاحت کریں۔

v- تحریک سول نافرمانی اور اس کے ہندو مسلم اتحاد پر اثرات کا جائزہ لیں۔

vi- کانگرس کا قیام اور مقاصد بیان کریں۔

vii- تقسیم بنگال اور اس کا پس منظر واضح کریں۔

viii- دو عملی نظام پر نوٹ لکھیں۔

سرگرمیاں

- اس باب میں جن مسلم رہنماؤں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی تصاویر کا ایک البم تیار کریں۔
- طلبہ ایک چارٹ تیار کریں، جس میں مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد درج ہوں۔ اس چارٹ کو کمرہ جماعت میں لگائیں۔

سیاسی مصالحت کے لیے کوششیں

(Quest for Political Settlement)

حاصلاتِ تعلم: Students Learning Outcomes

اس باب کے مطالعے سے طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- ہندو، مسلم مصالحت کے لیے ''دہلی مسلم تجاویز 1927ء'' کو ایک قابلِ عمل فارمولا سمجھتے ہوئے گفتگو کرسکیں۔
- سائمن کمیشن 1927ء کی تشکیل اور اس پر برصغیر کے لوگوں کا ردِعمل بیان کرسکیں۔
- مسلمانوں کے مطالبات کے حوالے سے نہرو رپورٹ 1928ء کے اہم نکات کی وضاحت کرسکیں۔
- نہرو رپورٹ پر مسلمانوں کے ردِعمل: آل پارٹیز مسلم کانفرنس اور قائداعظمؒ کے 14 نکات 1929ء بیان کرسکیں۔
- علامہ محمد اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد 1930ء میں برصغیر کے مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلم ریاست کے قیام کی تجویز پر گفتگو کرسکیں۔
- گول میز کانفرنسوں (32-1930ء) کو برطانیہ اور برصغیر، سیاسی پارٹیوں اور دیسی ریاستوں کے درمیان ایک آئینی مصالحت کے طور پر بیان کرسکیں۔
- گول میز کانفرنسوں میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے مختلف سیاسی پارٹیوں کی تجاویز پر گفتگو کرسکیں۔
- مسلمانوں کے مطالبات کے حوالے سے کمیونل ایوارڈ پر گفتگو کرسکیں۔
- سرحد (خیبر پختونخوا) اور بلوچستان میں اصلاحات کے مطالبے کی وضاحت کرسکیں۔
- سندھ کو بمبئی سے الگ کرنے کے مطالبے کا مقصد بیان کرسکیں۔
- 1935ء کے ایکٹ کے اہم خدوخال اور صوبائی خودمختاری کی وضاحت کرسکیں۔
- 36-1926ء کے دوران میں مسلمانوں کی سیاست میں آل انڈیا مسلم لیگ کا مقام بیان کرسکیں۔
- 1937ء کے انتخابات، علیحدہ صوبائی مسلم پارٹیز کے قیام اور انتخابات میں جماعتی سیاست پر بحث کرسکیں۔
- ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کے طور پر مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کے لیے کی گئی کوششیں بیان کرسکیں۔
- ہندو اکثریتی صوبوں میں کانگرسی وزارتوں کے قیام، یو پی میں مسلم لیگ اور کانگرس کے اتحاد کے لیے مذاکرات اور مسلمانوں کے لیے کانگرسی پالیسی بیان کرسکیں۔
- پیرپور رپورٹ، شریف رپورٹ اور کمال یار جنگ رپورٹ کے حوالے سے کانگرسی راج کے خلاف مسلمانوں کی شکایات، کانگرس کا ردِعمل اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے رائل کمیشن کے لیے مطالبے پر گفتگو کرسکیں۔
- برصغیر پاک و ہند کی سیاست پر دوسری جنگِ عظیم کے اثرات اور مسلمانوں کے ترجمان کی حیثیت سے ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے مقام کا تجزیہ کرسکیں۔

تجاویز دہلی

تحریک خلافت کے بعد آئینی اصلاحات کے لیے جدوجہد تیز ہوگئی۔ مسلمان اپنے سیاسی تحفظات کے لیے جداگانہ انتخاب کو ضروری سمجھتے تھے۔ نیز وہ آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی چاہتے تھے جبکہ کانگریس ان مطالبات کے خلاف تھی۔ تاہم ابھی تک ایسے رہنما موجود تھے جو دونوں اقوام کے مابین اتحاد چاہتے تھے۔ ان میں قائداعظمؒ بھی پیش پیش تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دونوں اقوام کے درمیان فرقہ وارانہ اختلافات ختم ہوجائیں تاکہ دونوں قومیں مل کر آزادی کے لیے جدوجہد کرسکیں۔ کانگرس کے پلیٹ فارم سے بھی بار بار مطالبہ کیا جارہا تھا کہ مسلمان اگر اپنے جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہوجائیں تو ان کے دیگر مطالبات مانے جاسکتے ہیں۔ قائداعظمؒ نے اس پر غور کرنے کے لیے 1927ء میں دہلی میں مسلمان قائدین کی کانفرنس بلائی۔ اس کانفرنس نے مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے کے بعد چند تجاویز مرتب کیں۔ انھیں تجاویز دہلی کہا جاتا ہے۔ قائداعظمؒ نے اعلان کیا کہ اگر ہندو، مسلمانوں کو سیاسی تحفظات دینے کے لیے تیار ہوں تو مسلم لیگ جداگانہ انتخابات کے اصول کو چھوڑنے پر غور کرسکتی ہے۔ تجاویز دہلی میں سے چند اہم تجاویز درج ذیل ہیں۔

اہم تجاویز

(i) سندھ کو بمبئی سے الگ کرکے ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔
(ii) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کی طرح آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں۔
(iii) صوبہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی جائے۔
(iv) مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی نشستیں دی جائیں۔

سائمن کمیشن

حکومت برطانیہ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کو نافذ کرتے وقت یہ اعلان کیا تھا کہ حکومت ہر دس سال بعد دستوری اصلاحات کے لیے کمیشن مقرر کیا کرے گی، چنانچہ نومبر 1927ء میں سرجان سائمن کی سرکردگی میں ایک کمیشن برصغیر آیا اسے سائمن کمیشن کہتے ہیں۔ چونکہ اس کمیشن میں کوئی ہندوستانی رکن نہ تھا اس لیے کانگرس اور مسلم لیگ دونوں نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا، جبکہ پنجاب یونینیسٹ پارٹی اور مسلم لیگ (شفیع گروپ) نے حمایت کی۔ اس پر لارڈ برکن ہیڈ جو اس وقت وزیر برائے امور ہند تھا، نے کہا کہ حکومت جو کچھ کرسکتی تھی اس نے کردیا۔ اب ہندوستانی لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسا دستور یا لائحہ عمل پیش کریں جس پر تمام سیاسی جماعتیں متفق ہوں۔

نہرو رپورٹ

لارڈ برکن ہیڈ کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے فروری 1928ء میں دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی لیکن کوئی

سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے اپنے موقف پر نظرِ ثانی کا موقع فراہم کرنے کے لیے اجلاس ملتوی کردیا گیا۔ کانفرنس کا دوبارہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی گئی، جس میں سر علی امام اور شعیب قریشی نے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ ''نہرو رپورٹ'' کے نام سے مشہور ہے۔

نہرو رپورٹ مسلم مفادات کے خلاف تھی۔ اس میں تجویز کیا گیا تھا کہ:

(i) جداگانہ انتخابات کا اصول ختم کیا جائے۔

(ii) اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لیے نشستیں مخصوص نہ کی جائیں۔

(iii) مسلم اقلیت کے صوبوں میں اصول توازن برقرار نہ رکھا جائے۔

(iv) مرکز میں مسلمانوں کو ایک تہائی کی بجائے ایک چوتھائی نشستیں دی جائیں۔

مسلم لیگ کا ردِعمل

نہرو رپورٹ سے ہندوانہ ذہنیت کھل کر سامنے آگئی تھی۔ چونکہ یہ سفارشات مسلمانوں کے مفادات کے سراسر خلاف تھیں، اس لیے مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اگر ان تجاویز کو قبول کرلیا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔ نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمان متحد ہوگئے۔ دہلی میں سر آغا خاں کی صدارت میں آل پارٹیز مسلم لیگ کانفرنس 31 دسمبر 1928ء سے یکم جنوری 1929ء تک بلائی گئیں جس میں قائداعظمؒ نے سمجھوتے کی غرض سے نہرو رپورٹ میں چار ترامیم پیش کیں، جن میں سے تین کا تعلق مسلمانوں سے تھا مگر کانگرس اور نہرو نے انھیں ٹھکرا دیا۔ اس پر قائداعظمؒ نے فرمایا کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں راستے الگ الگ ہیں۔

قائداعظمؒ

قائداعظمؒ کے چودہ نکات

28 مارچ 1929ء میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ قائداعظمؒ نے اس اجلاس میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے رہنما اصولوں کا ایک خاکہ پیش کیا جو بعد میں قائداعظمؒ کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوا۔

چودہ نکات

(i) آئندہ آئین وفاقی طرز کا ہو، جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔

(ii) تمام صوبوں کو ایک ہی اصول پر داخلی خودمختاری دی جائے۔

(iii) تمام مجالس قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں میں اقلیتوں کو موثر نمائندگی دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ کوئی اکثریت اقلیت میں نہ بدلی جائے۔

(iv) مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

(v) جداگانہ انتخاب کا اصول ہر فرقہ پر لاگو ہوگا البتہ اگر کوئی فرقہ چاہے تو اپنی مرضی سے مخلوط انتخاب قبول کر سکتا ہے۔

(vi) اگر کبھی صوبوں کی حدود میں تبدیلی کرنا مقصود ہو تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس تبدیلی کا مسلم اکثریت والے صوبوں یعنی پنجاب، بنگال اور شمالی مغربی سرحدی صوبے پر اثر نہ پڑے۔

(vii) تمام فرقوں کو یکساں اور مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو۔

(viii) اگر کوئی مسودۂ قانون کسی خاص فرقے سے متعلق ہو اور اس فرقے کے تین چوتھائی ممبران اسمبلی اس مسودۂ قانون کے خلاف رائے دیں تو اسے مسترد قرار دیا جائے۔

(ix) سندھ کو صوبہ بمبئی سے الگ کر دیا جائے۔

(x) صوبہ بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں دوسرے صوبوں کی مانند اصلاحات نافذ کی جائیں۔

(xi) مسلمانوں کو تمام سرکاری ملازمتوں میں ان کی اہلیت کے مطابق حصہ دیا جائے۔

(xii) مسلمانوں کو ہر قسم کا مذہبی و ثقافتی تحفظ دیا جائے۔

(xiii) صوبائی اور مرکزی وزارتوں میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی نمائندگی دی جائے۔

(xiv) وفاق میں شامل صوبوں کی منظوری کے بغیر مرکزی آئین میں کوئی ردوبدل نہ کیا جائے۔

چودہ نکات کی اہمیت

یہ نکات برصغیر کی مسلم تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ نکات مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی ضمانت تھے۔ ان پر عمل ہوتا تو اس بات کا خطرہ نہ رہتا کہ مسلمان غلام بن جائیں گے یا ان کا جداگانہ قومی تشخص ختم ہو جائے گا۔ نہرو رپورٹ کے خلاف ان جوابی تجاویز نے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دیا اور مسلم لیگ کے دونوں دھڑے متحد ہو گئے۔ آئندہ پانچ برس میں یہ نکات ہندوؤں سے سیاسی بات چیت کا وسیلہ بنے رہے اور جب کانگرس نے اپنی ہٹ دھرمی کے باعث ان کو نہ مانا تو مسلمانوں نے اپنا الگ وطن بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران میں انگریز حکمرانوں نے ان میں سے کئی نکات پر عمل درآمد کیا کیونکہ مسلم قوم کے یہ مطالبات جائز تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کانگرس کی مسلم دشمنی ظاہر ہوتی جا رہی تھی۔ نہرو رپورٹ اور قائداعظمؒ کے چودہ نکات برصغیر کے آئینی و سیاسی مسائل کے حل کے لیے دو متضاد تجاویز تھیں۔ کانگرس مسلمانوں کا الگ سیاسی وجود ماننے کے لیے تیار نہ تھی جبکہ مسلمان کسی ایسے آئینی حل کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس میں ان کے جائز حقوق کا مکمل تحفظ موجود نہ ہو۔ اس دوران میں حکومت برطانیہ نے برصغیر کے سیاسی حل کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا۔

خطبہ الٰہ آباد

علامہ محمد اقبالؒ

دسمبر 1930ء میں برصغیر کے کئی رہنما جب لندن میں گول میز کانفرنس میں مصروف تھے اور مستقبل کے انتظامات پر غور کر رہے تھے تو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں بلایا گیا۔ اس اجلاس کی صدارت علامہ محمد اقبالؒ نے کی۔ ان کا صدارتی خطبہ برصغیر کی سیاسی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اپنے خطبے میں علامہ اقبالؒ نے دوقومی نظریے پر روشنی ڈالی اور دلائل سے ثابت کیا کہ برصغیر دو قوموں کا وطن ہے اور مسلمان اس ملک میں ایک الگ اور مکمل قوم ہیں۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس میں سیاسی، معاشی اور ثقافتی مسائل کے بارے میں مکمل رہنمائی موجود ہے نیز مسلمان کسی حالت میں بھی اپنے مذہب سے دستبردار نہیں ہوسکتے۔ اگر ہندو انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے آزادی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو مسلمان بھی ہندوؤں سے الگ ہوکر اپنے آزاد وجود کے قیام کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔ ان حالات میں برصغیر کے آئینی مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے کہ مسلم اکثریتی علاقوں کو الگ آزاد ملک کی حیثیت دے دی جائے۔ اپنے خطبے کا مرکزی خیال پیش کرتے ہوئے علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

''میری خواہش ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے صوبوں کو ملا کر ایک ریاست بنا دی جائے۔ خواہ یہ ریاست برطانوی حکومت کے اندر خودمختاری حاصل کرے، خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آ رہا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں مسلمانوں کو آخر کار ایک منظم مسلمان ریاست قائم کرنا پڑے گی''۔

علامہ محمد اقبالؒ کا خطبہ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ خطبہ مسلمانوں کے لیے روشنی کا ایسا مینار تھا جس نے انھیں ایک نئی راہ دکھائی اور ایسی منزل کی طرف رہنمائی کی جس کے بغیر ان کے مسائل کا حل ناممکن تھا۔

سائمن کمیشن 1927ء کی ناکامی اور نہرو رپورٹ 1928ء پر مسلم لیگ کی کڑی تنقید نے مزید آئینی اقدامات کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دی کیونکہ اس رپورٹ میں مسلمانوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ اس موقعے پر برصغیر کے قائدین سے گفت وشنید کے لیے برطانوی حکومت نے لندن میں 1930ء سے 1932ء تک گول میز کانفرنسوں کا اہتمام کیا لیکن ان میں بھی مسلم ہندو مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔

گول میز کانفرنسیں

1930ء کے آغاز میں سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ مکمل کر لی۔ اس رپورٹ کی اشاعت سے پہلے برصغیر کے وائسرائے لارڈ ارون (Irwin) نے اعلان کیا کہ برصغیر کے مسائل کے حل کے لیے ایک کانفرنس منعقد ہونی چاہیے۔ لارڈ ارون کے اس اعلان سے کافی عرصہ پہلے قائداعظمؒ برطانیہ کے وزیراعظم کو ایک خط لکھ چکے تھے جس میں برصغیر کے مسائل کو حل کرنے کے

لیے ایک کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ لارڈ ارون کے اعلان کے بعد گاندھی نے یہ اعلان کیا کہ کانگرس صرف اس وقت کانفرنس میں شرکت کرے گی جب برطانوی حکومت اس بات کی ضمانت دے کہ کانفرنس کے بعد جو آئین تیار کیا جائے گا اس سے برصغیر کو نوآبادی کا درجہ (Dominian Status) ملے گا۔ برطانوی حکومت نے گاندھی کے اس مطالبے کو مسترد کر دیا اس لیے گاندھی نے ملک بھر سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ مسلمانوں نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا۔

پہلی گول میز کانفرنس

برطانوی حکومت نے 12 نومبر 1930ء کو لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ کانگرس نے اس کانفرنس میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اٹھارہ نمائندوں نے، جن میں قائداعظمؒ، سر آغا خاں، مولانا محمد علی جوہر، سر محمد شفیع اور مولوی فضل الحق بھی شامل تھے، کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس میں برما کو برصغیر سے الگ کرنے اور برصغیر میں وفاقی طرز حکومت رائج کرنے پر مکمل اتفاق ہو گیا۔ اس موقعے پر بارہ کمیٹیاں بنائی گئیں جنھوں نے شمال مغربی سرحدی صوبے میں اصلاحات کے نفاذ، اقلیتی امور اور سندھ کو بمبئی سے الگ کرنے کے بارے میں سفارشات پیش کیں۔

پہلی گول میز کانفرنس میں قائداعظمؒ نمایاں ہیں

دوسری گول میز کانفرنس

پہلی گول میز کانفرنس 19 جنوری 1931ء کو ختم ہو گئی۔ کانفرنس کے دوران ہی برطانوی حکومت اور دیگر نمائندوں کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ کانگرس کی شرکت کے بغیر کانفرنس کا انعقاد بے سود ہے۔ ادھر 5 مارچ 1931ء کو گاندھی ارون سمجھوتہ (Gandhi-Irwin Pact) طے پایا، جس کی رو سے کانگرس نے سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لی اور حکومت نے تحریک کے دوران گرفتار ہونے والے تمام رضا کاروں کو رہا کر دیا۔ کانگرس دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہو گئی۔ ماسٹر تارا سنگھ نے گاندھی کو سکھوں کا بھی رہنما تسلیم کرتے ہوئے سترہ نکات دے کر سکھ نمائندگی کا حق دیا۔ ان سترہ نکات میں پنجاب کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کا مطالبہ بھی شامل تھا۔ یاد رہے کہ 1924ء میں لالہ لاجپت رائے نے بھی ہندو مسلم مسئلے کا حل برصغیر کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کے طور پر پیش کیا تھا۔

7 ستمبر 1931ء کو لندن میں دوسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہندو رہنماؤں نے فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لیے انگریز حکومت کو اختیار دے دیا۔ اس کانفرنس میں اقلیتوں کے مسائل کے حل پر زور دیا گیا۔ گاندھی نے ہر قدم پر کانفرنس کے کام میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اقلیتوں نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا جس کی گاندھی نے بڑی سخت مخالفت کی۔ کانفرنس کے دوران میں

اچھوتوں کو الگ اقلیت قرار دینے کی سفارش کی گئی لیکن گاندھی کسی صورت میں بھی اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ کرنے پر رضامند نہیں تھا۔ اگر اچھوتوں کو، جو صدیوں سے ہندوؤں کے ظلم وستم کا شکار ہو رہے تھے، الگ قوم تسلیم کر لیا جاتا تو ان کی تعداد ہندوؤں سے بڑھ جاتی، اس طرح ہندو برصغیر میں اپنی من مانی نہ کر پاتے۔ گاندھی نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ کرنے پر سخت اعتراض کیا۔

کمیونل ایوارڈ

دوسری گول میز کانفرنس میں اقلیتوں کے مسائل ایک رکاوٹ بن گئے تھے۔ کانفرنس کے دوران ہی برطانوی وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا کہ اگر کانفرنس میں شریک نمائندے اقلیتوں کے مسائل کو حل نہ کر سکے تو برطانوی حکومت ان مسائل کا حل خود پیش کرے گی۔ دوسری گول میز کانفرنس یکم جنوری 1932ء کو اقلیتوں کے مسائل حل کیے بغیر ختم ہو گئی۔ 14 اگست 1932ء کو برطانوی حکومت نے فرقہ وارانہ نمائندگی کے لیے کمیونل ایوارڈ کا اعلان کر دیا۔

کمیونل ایوارڈ میں جداگانہ انتخاب برقرار رکھا گیا۔ جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں انھیں زیادہ نمایندگی دی گئی۔ اسی طرح پنجاب میں سکھوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں ملیں۔ صوبہ سرحد اور سندھ میں ہندوؤں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں ملیں۔ بنگال اور آسام میں آباد یورپین باشندوں کو بھی ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں مل گئیں۔

مسلمانوں کو کمیونل ایوارڈ سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے کمیونل ایوارڈ کی پر زور مخالفت کی۔ گاندھی نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ کرنے پر پر شدید احتجاج کیا۔ اسی دوران میں ہندو لیڈروں نے اچھوت رہنما ڈاکٹر امبید کر پر دباؤ ڈال کر اسے مجبور کر دیا کہ وہ اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ قوم تصور نہ کرے۔ ڈاکٹر امبید کر پونا کے مقام پر گاندھی سے ملا اور اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔

اس موقعے پر ڈاکٹر امبید کر اور گاندھی کے درمیان ایک سمجھوتہ ہو گیا جو تاریخ میں ''پونا پیکٹ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس سمجھوتے کی رو سے یہ طے پایا کہ ہندو اور اچھوت ایک قوم تصور ہوں گے اور ہندو انھیں اپنی نشستوں میں سے کچھ نشستیں دے دیں گے۔ پونا پیکٹ سے ہندوؤں کو بے حد فائدہ پہنچا اور اچھوتوں کے ہندوؤں میں ضم ہو جانے سے ان کی تعداد اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا اور اچھوت ہمیشہ کے لیے غلام بن گئے۔

تیسری گول میز کانفرنس

17 نومبر 1932ء کو لندن میں تیسری گول میز کانفرنس شروع ہوئی جو 24 نومبر 1932ء تک جاری رہی۔ برطانیہ کی لیبر پارٹی نے اس کانفرنس کے دوران میں صوبوں کو پہلے کی نسبت زیادہ اختیارات دینے کا مطالبہ کیا۔ برطانوی حکومت نے برصغیر کے نمائندوں کے مطالبے پر ایک کمیٹی بنا دی جس کی سفارش پر برطانوی حکومت نے 1935ء کا آئین وضع کیا۔

صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) اور بلوچستان میں اصلاحات

برصغیر کے شمال مغرب میں شمال مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا) اور بلوچستان واقع تھے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ یہ علاقے انتہائی پسماندہ تھے۔ سرحد کو 1901 میں صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ اس سے پہلے وہ پنجاب کا حصہ تھا۔ یہاں کے لوگوں نے سائمن کمیشن میں قانونی اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ قائداعظمؒ نے 1929ء میں سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات لانے کا مطالبہ کیا تاکہ ان کی پسماندگی دور کی جاسکے۔ 1935ء کے ایکٹ کے تحت اس کو دوسرے صوبوں کی طرح برابر درجہ دیا گیا۔ سرحد کے عوام نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1947ء میں مسلم لیگ نے اس صوبے کی کانگرسی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی۔ 3 جون 1947ء کو حکومت برطانیہ نے مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو تسلیم کرلیا۔ اس صوبہ کے عوام نے استصواب رائے میں پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا، جس کے بعد یہ صوبہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

برطانوی دور میں بلوچستان کو صوبہ کا درجہ حاصل نہ تھا بلکہ ایک انتظامی اکائی کی حیثیت سے برطانوی ہندوستان میں شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صوبہ بلوچستان معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی طور پر پسماندہ رہا۔ بلوچستان میں رابطے کے فقدان اور تعلیمی پسماندگی کے باعث عوامی حقوق کے لیے دیر سے بیداری پیدا ہوئی۔ 1939ء میں بلوچستان میں قاضی محمد عیسیٰ نے مسلم لیگ کی برانچ قائم کی۔ 1946ء میں مسلم لیگ نے ممبئی میں اپنے اجلاس میں راست اقدام کا فیصلہ کیا تو مسلم لیگ بلوچستان نے بھی اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔

صوبہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی

انگریزوں کے دور میں سندھ ایک مسلمان اکثریتی علاقہ تھا اور بمبئی پریزیڈنسی کا حصہ تھا۔ قائداعظمؒ نے سندھ کی پسماندگی دور کرنے کے لیے اس کو بمبئی سے الگ کرنے کا مطالبہ شروع کردیا۔ 1927ء میں دہلی میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے سندھ کو بمبئی سے الگ کرنے کا مطالبہ کیا اور مطالبہ کو دہلی تجاویز میں شامل کرلیا۔ علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اپنے خطبہ الہ آباد میں سندھ کو بمبئی سے الگ کرنے کی تجویز دیتے ہوئے کہا کہ سندھ اور بمبئی میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے، لہٰذا سندھ کو الگ صوبہ بنایا جائے تاکہ اس صوبہ کی ترقی ہوسکے۔ 1932ء میں حکومت نے کمیونل ایوارڈ جاری کیا تو اس میں سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا اور پھر 1935ء کے ایکٹ کے تحت سندھ کو بمبئی سے الگ کرکے علیحدہ صوبہ بنایا گیا۔

1935ء کا ایکٹ

برصغیر میں اس ایکٹ کو 1935ء میں مرتب کرکے نافذ کیا گیا۔

اہم خدوخال

1۔ وفاقی طرز حکومت

اس ایکٹ نے برصغیر کے لیے وفاقی نظام دیا۔ اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کردیے گئے۔

-2 وائسرائے (گورنر جنرل)

وائسرائے (گورنر جنرل) کے اختیارات کافی وسیع تھے۔ وہ کسی کونسل، کابینہ یا مقننہ کو جواب دہ نہیں تھا۔ عوام کے حقوق کی حفاظت کرنا، حکومت کی مالیاتی حیثیت کو محفوظ رکھنا، برطانیہ کی برصغیر سے تجارت کو ترقی دینا اور انگریز تاجروں کو سہولت بہم پہنچانا وغیرہ جیسے فرائض ادا کرنا تھا۔

-3 وفاقی مقننہ

برصغیر کی مرکزی مقننہ دو ایوانی بنائی گئی۔ گورنر جنرل مقننہ کا سربراہ تھا۔

(i) کونسل آف سٹیٹ

اس کونسل کے کل ارکان 260 تھے۔ صوبوں سے 156 اور ریاستوں سے 104 ارکان لیے گئے۔ ہر رکن کی معیاد تین سال تھی۔

(ii) وفاقی اسمبلی

اس کے کل ارکان 375 تھے۔ ان میں ریاستوں سے 125 اور صوبوں سے 250 ارکان لیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ وفاقی اسمبلی کی معیاد پانچ سال رکھی گئی۔

-4 عدلیہ

فیڈرل کورٹ کے نام سے مرکزی عدلیہ بنائی گئی جو ایک چیف جسٹس اور چھے ججوں پر مشتمل تھی۔ یہ عدالت صوبوں میں قائم ہائی کورٹوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتی تھی۔

-5 صوبائی نظم ونسق

(i) گورنر

صوبہ کا سربراہ گورنر تھا جسے گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔ اقلیتوں کے تحفظ، سرکاری ملازموں کے حقوق کا تحفظ، آرڈیننس کا نفاذ اور صوبے میں امن وامان کا قیام گورنر کی اہم ذمہ داریاں تھیں۔

(ii) کابینہ

صوبائی کابینہ اُن وزرا پر مشتمل تھی جو صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے لیے جاتے تھے گورنر وزرا کو نامزد کرتا تھا۔ وزرا اپنی کارکردگی کے بارے میں گورنر کے علاوہ صوبائی اسمبلی کے سامنے بھی جواب دہ تھے۔

(iii) صوبائی قانون ساز اسمبلی

ہر صوبہ میں ایک قانون ساز اسمبلی بنائی گئی۔ قانون ساز کونسل کے ارکان تین سال کے لیے منتخب ہوتے تھے۔

6- جداگانہ انتخابات

مسلمانوں کے لیے مرکزی اسمبلی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں جداگانہ نشستیں رکھی گئیں۔ان نشستوں کے لیے انتخاب میں صرف مسلمان حصہ لیتے اور مسلمان ہی ووٹر کے فرائض ادا کرتے۔

7- صوبائی خودمختاری

صوبوں کو بڑی حد تک خودمختاری دی گئی۔ دوعملی کا نظام ختم کر دیا گیا۔تمام محکمے مقامی وزرا کی تحویل میں دیے گئے۔ صوبوں کا نظام چلانے کے لیے صوبائی انتظامیہ کافی بااختیار تھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا مقام 36-1926ء

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام 30 دسمبر 1906ء کو عمل میں آیا۔ ابتدا میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور حکومت سے وفاداری اس کے آئین میں شامل تھا۔ بدلتے ہوئے حالات نے اس جماعت کو مجبور کیا کہ اپنی سیاسی جماعت کے مقاصد تبدیل کریں۔ 1905ء میں تقسیم بنگال سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا تھا۔لیکن جب 1911ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کیا گیا تو مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔اس موقع پر مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین میں تبدیلی کی شدید ضرورت محسوس کی۔اس زمانے میں دو سیاسی جماعتوں کی رکنیت رکھنے کی اجازت تھی۔ قائداعظمؒ نے کانگرسی ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ 1913ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں تیز کر دیں۔اس طرح معاہدہ لکھنو بھی ہوا۔ یہ مسلم لیگ کا بہت بڑا کارنامہ تھا کیونکہ اس معاہدہ میں کانگرس نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔

دہلی تجاویز اور سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سوال پر 1927ء میں مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی۔جس کی وجہ تنازعہ جداگانہ انتخاب تھا۔لہٰذا مسلمانوں کا اپنا اتحاد جس کی ترجمانی مسلم لیگ کرتی تھی، ختم ہو گیا۔جب نہرو رپورٹ پیش کی گئی اور اس پر سخت احتجاج کیا گیا جگہ جگہ جلسے اور تقریریں کی گئیں جن میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی اور بہتری کا انحصار مسلم لیگ کے طاقت ور ہونے پر ہے۔ جناح لیگ اور شفیع لیگ میں جو تھوڑے بہت اختلافات تھے، 1929ء میں قائداعظمؒ کے چودہ نکات کے بعد ختم ہو گئے۔

جب قائداعظمؒ انگلستان چلے گئے تو مسلم لیگ کافی کمزور ہو گئی۔1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد میں علامہ محمد اقبالؒ نے صدارتی خطبہ دے کر مسلم لیگ کی نظریاتی جنگ کو جاری رکھا اور برصغیر میں علیحدہ مسلم ریاست (پاکستان) کا تصور دیا۔مسلم لیگ کی کمزور حالت کو دیکھتے ہوئے قائداعظمؒ 1934ء میں واپس وطن تشریف لائے اور مسلم لیگ کو فعال کرنے میں مصروف ہو گئے۔آپ کی انتھک کوششوں سے چند ہی سالوں میں مسلم لیگ پھر طاقتور جماعت بن گئی۔

1937ء کے انتخابات

1935 کے ایکٹ کے تحت فروری، مارچ 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔اس میں تمام سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا، کانگرس نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں۔کانگرس سب سے بڑی جماعت بن کر سامنے آئی۔مسلم لیگ کسی بھی صوبے میں اکثریت حاصل نہ کر سکی۔ برصغیر کے گیارہ صوبوں میں انتخابات منعقد ہوئے۔کانگرس نے 11 میں سے 7 صوبوں، مدراس، بمبئی، یو پی، سی پی، بہار، اڑیسہ اور سرحد (خیبر پختونخوا) میں وزارتیں قائم کیں۔پنجاب میں سر سکندر حیات، سندھ میں سر غلام حسین ہدایت اللہ، بنگال میں مولوی فضل الحق اور آسام میں سر محمد سعد اللہ نے مخلوط وزارتیں قائم کیں۔

1937ء کے صوبائی انتخابات میں صوبائی اسمبلیوں کی کل نشستیں 1585 تھیں۔کانگرس نے کل 715 نشستیں حاصل کیں۔کانگرس نے 58 حلقوں میں اپنے مسلمان امیدوار کھڑے کیے تھے جن میں صرف 26 کامیاب ہوئے۔492 نشستیں مسلمانوں کے لیے مختص تھیں۔مسلم لیگ نے 108 مسلم نشستیں حاصل کیں۔مسلم لیگ اور کانگرس نے پنجاب میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہ کیا۔اصل میں مسلم لیگ نے ہمیشہ قومی سطح کی سیاست کی اور پہلی مرتبہ 1937ء کے انتخابات میں حصہ لیا۔پنجاب میں مسلم لیگ کے بارہ میں سے دو امیدوار راجہ غضنفر علی خاں اور ملک برکت علی کامیاب ہوئے، لہٰذا پنجاب میں یونینیسٹ پارٹی نے انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کی مدد سے انتخابات جیت کر اپنی حکومت بنائی۔

چوہدری خلیق الزماں کے کانگرسی رہنماؤں سے مذاکرات

چوہدری خلیق الزماں

ان دنوں صوبہ یو پی کے مسلم لیگی صدر چوہدری خلیق الزماں تھے۔انتخابات میں یو پی صوبے سے 27 مسلم نشستوں پر مسلم لیگی امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ چوہدری خلیق الزماں نے کانگرسی رہنماؤں سے مذاکرات کیے اور کہا کہ وزارت میں مسلم لیگی نمائندے بھی لیے جائیں۔یو پی کے کانگرسی صدر نے مسلم لیگ کو وزارت میں شامل کرنے کے لیے کچھ ناقابل قبول شرائط رکھیں، جن کو مسلم لیگ نے ماننے سے انکار کر دیا۔یہ اصل میں مسلم لیگ کے وجود کو ختم کرنے کا ایک منصوبہ تھا جسے مسلم رہنماؤں نے رد کر دیا۔

مسلمانوں کے لیے کانگرسی پالیسی

وزارتیں قائم کرنے کے بعد کانگرس نے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کے خاتمے کا پروگرام بنایا۔ہندوؤں نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے مذہب پر پابندی لگانے کی کوششیں کیں۔مسجدوں کے باہر شور و غل کرنا شروع کر دیا۔مسلمانوں پر ملازمتوں کے

دروازے بند کرائے۔ سکولوں میں اردو کی جگہ ہندی رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ مسلمان بچوں کو گاندھی کی مورتی کی پوجا کرنے پر مجبور کیا گیا اور ماتھوں پر تلک لگانے کو کہا جانے لگا۔ بچوں کو بندے ماترم کا ترانہ گانے کے لیے مجبور کیا گیا جس میں مسلمانوں کے خلاف جذبات کو ابھارا گیا تھا۔ اس رویے کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں میں الگ ملک کے مطالبے کی شدت اور بڑھ گئی۔ 1938ء میں محمد علی جناحؒ پٹنہ اجلاس میں قائداعظمؒ کے خطاب سے نوازے گئے۔ 1939ء میں جب کانگرسی وزارتوں کا خاتمہ ہوا تو قائداعظمؒ نے مسلمانوں کو 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منانے کا مشورہ دیا۔

تحقیقاتی رپورٹس

پیرپور رپورٹ

پیرپور رپورٹ کانگرسی وزارتوں کی زیادتیوں پر مشتمل ایک رپورٹ تھی۔ اس رپورٹ کو تیار کرنے میں راجہ سید محمد مہدی آف پیرپور، سید تقی ہادی نقوی، سید اشرف احمد، مولوی عبدالغنی، سید ذاکر علی اور میاں غیاث الدین وغیرہ شامل تھے۔ کمیٹی کے ارکان نے کانگرس کے زیر حکومت چھے صوبوں مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ کا دورہ کیا۔ ان علاقوں میں خود صورتحال کا جائزہ لیا۔ 15 نومبر 1938ء کو کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کردی، جس کے 96 صفحات تھے۔ اس رپورٹ کے مطابق کانگرسی وزارتوں کے دوران مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھائے گئے اور ان کو جائز حقوق سے محروم رکھا گیا، مثلاً گائے کے ذبیحہ پر پابندی، اذان پر پابندی، مسلمانوں کے سکولوں میں ترنگا جھنڈے کا لہرانا۔ گاندھی کی تصویر کے سامنے طلبہ کا جھکنا وغیرہ شامل تھا۔

شریف رپورٹ

کانگرسی حکومت کی کارکردگی پر شریف رپورٹ 4 مارچ 1939ء میں شائع ہوئی، جس میں بہار کے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کی تصدیق کی گئی تھی۔ یہ رپورٹ ایس ایم شریف کی سرکردگی میں ایک تحقیقاتی کمیٹی نے تیار کی تھی۔

کمال یار جنگ رپورٹ

کانگرسی وزارتوں کے خاتمے کے بعد ''محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس'' نے کانگرسی وزارتوں کے دور کی تعلیمی پالیسیوں کا جائزہ لینے کے لیے نواب کمال یار جنگ کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی جس نے اپنی رپورٹ 1939ء میں شائع کی جو کمال یار جنگ رپورٹ کہلاتی ہے۔ اس رپورٹ میں بھی مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم بیان کیے گئے تھے۔ ہندوؤں نے تعلیمی ''واردھا سکیم'' کے ذریعے مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ کانگرس کی مسلم مخالف تعلیمی پالیسیوں کے حوالے سے یہ رپورٹ بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔

رائل کمیشن

1939ء میں قائداعظمؒ نے رائل کمیشن کی تشکیل کا مطالبہ کیا تاکہ کانگرسی وزارتوں کے دوران مسلمانوں پر کیے گئے

مظالم کی تحقیقات کرائی جائیں اوران کا ازالہ کیا جائے۔ان رپورٹوں نے برصغیر کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

1۔ دنیا کو کانگرسی وزارتوں میں مسلمانوں پرڈھائے جانے والے مظالم کا علم ہوا۔

2۔ کانگرس کا اصل چہرہ لوگوں کے سامنے آیا اور انگریز حکمرانوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بہتر ہوئے۔

مسلم لیگ کی تنظیم نو

قائداعظمؒ 1934ء میں برطانیہ سے برصغیر میں واپس آئے اور ٹکڑوں میں تقسیم مسلم لیگ کے اتحاد کی طرف توجہ دی۔اس طرح دونوں مسلم لیگ میں اتحاد ہوگیا۔چند ہفتے قیام کے بعد آپ واپس برطانیہ چلے گئے۔آپ کی غیر حاضری میں بمبئی کے مسلمانوں نے آپ کو مرکزی اسمبلی کے لیے بلا مقابلہ نمائندہ چن لیا۔اس کے لیے آپ 1935ء میں مستقل طور پر برصغیر واپس آگئے۔

جب 1937ء کے صوبائی کونسلوں کے انتخابات منعقد ہوئے تو اس کے نتائج مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا نہیں تھے، لیکن اس صورت حال سے قائداعظمؒ مایوس نہیں ہوئے۔آپ نے مسلمانوں کی سیاسی تربیت میں دن رات ایک کر دیا۔چند ماہ کے اندر ہی صرف یوپی میں مسلم لیگ کی 170 شاخیں کھل گئیں۔1937ء تک ہر صوبے میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہو چکی تھی۔

1940ء لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔اس اجلاس میں قائداعظمؒ نے ایک طویل صدارتی تقریر میں برصغیر کے مسلمانوں کے درپیش مسائل اوران کے حل پر روشنی ڈالی۔اپریل 1941ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اس قرارداد کو مسلم لیگ کی منزل قرار دیا گیا اور اسے لیگ کے منشور میں شامل کرلیا گیا۔مسلم لیگ نے اسے منظور کرانے کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔جس کے نتیجے میں وہ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت اختیار کر گئی اور مشکلات کے باوجود مطالبہ پاکستان کو تسلیم کروانے میں کامیاب ہوگئی۔

دوسری جنگ عظیم کے ہندوستان پر اثرات

1939ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو برطانیہ کو ہندوستانیوں کی مدد کی ضرورت تھی۔وائسرائے نے گاندھی اور قائداعظمؒ کو بات چیت کی دعوت دی۔وائسرائے برصغیر میں تعاون کی فضا قائم کرنا چاہتا تھا۔انگریزوں کو احساس تھا کہ وہ برصغیر کے ہندوؤں،مسلمانوں اور سکھوں کی مدد کے بغیر جنگ نہیں جیت سکتے،لہٰذا انگریزوں نے برصغیر کے لوگوں کو ساتھ ملانے کے لیے کئی مراعات دینے کے وعدے کیے۔کرپس مشن اور حکومت خود اختیاری کی طرف اقدامات کا تعلق بھی جنگی تعاون سے تھا۔جنگ عظیم دوم نے جہاں مقامی اقوام کی جنگی خدمات کی وجہ سے انگریزوں کے دل میں نرم گوشہ پیدا کیا،وہاں اپنی انتظامی گرفت کمزور ہونے کا احساس بھی ان کے دل میں موجود تھا۔اس طرح اس جنگ نے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا اور مسلمانوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اہم نکات

-1 دہلی تجاویز ہندو مسلم اتحاد کی بہترین کوشش تھی۔

-2 علامہ محمد اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد برصغیر کے مسئلہ کا واحد حل تھا۔

-3 1935ء کے ایکٹ کے تحت صوبوں کو خود مختاری دی گئی۔

-4 1926-36ء کی دہائی میں مسلم سیاست میں مسلم لیگ کا مقام نمایاں نہیں تھا۔

-5 قائداعظمؒ کے چودہ نکات مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی ضمانت تھے۔

-6 کانگرسی وزارتوں سے ہندوؤں کی مسلم دشمنی واضح ہوگئی۔

-7 1924ء میں لالہ لاجپت رائے نے ہندو مسلم مسئلے کا حل برصغیر کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کو قرار دیا۔

-8 1937ء تک ہر صوبے میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہو چکی تھیں۔

-9 1939ء میں قائداعظمؒ نے رائل کمیشن کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔

-10 قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو اور حصول پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

مشقی سوالات

1- درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-i قائداعظمؒ نے چودہ نکات پیش کیے:

الف۔ 1927ء ب۔ 1928ء ج۔ 1929ء د۔ 1930ء

-ii علامہ اقبالؒ نے خطبہ الٰہ آباد دیا۔

الف۔ 1930ء ب۔ 1931ء ج۔ 1932ء د۔ 1933ء

-iii کمیونل ایوارڈ کا اعلان ہوا۔

الف۔ 1930ء ب 1932ء ج۔ 1934ء د۔ 1936ء

-v گاندھی، ارون سمجھوتہ طے پایا۔

الف۔ 1925 ب۔ 1930ء ج۔ 1931ء د۔ 1932ء

-v دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔

الف۔ 1937ء ب۔1938ء ج۔1939ء د۔1941ء

2- مختصر جواب دیں۔

-i قائداعظمؒ نے دہلی تجاویز کیوں پیش کیں؟

-ii نہرو رپورٹ کے جواب میں قائداعظمؒ نے کتنی ترامیم پیش کیں؟

-iii 22 دسمبر 1939ء کو ہندوراج کے خاتمے پر قائداعظمؒ نے مسلمانوں سے کیا اپیل کی؟

-iv کانگرس اور مسلم لیگ کے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیوں کیا؟

-v پہلی گول میز کانفرنس میں کون کون سے نمائندے شامل تھے؟

3- درست بیان کے سامنے (✓) اور غلط بیان کے سامنے (x) نشان لگائیں۔

i۔ دہلی تجاویز میں سندھ کو صوبہ بمبئی سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

ii۔ کانگرس اور مسلم لیگ نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ نہ کیا۔

iii۔ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔

iv۔ گول میز کانفرنسیں 32-1930ء لندن میں ہوئیں۔

v۔ دوسری جنگ عظیم 1939ء میں شروع ہوئی۔

4- خالی جگہ پر کریں۔

-i 1927ء میں .... کی کارکردگی میں برصغیر میں سائمن کمیشن آیا۔

-ii قائداعظمؒ نے..................... میں چودہ نکات پیش کیے۔

-iii برطانوی حکومت نے 1930ء سے 1932ء تک .... گول میز کانفرنسیں منعقد کیں۔

-iv برطانوی حکومت نے 12 نومبر .... کو لندن میں پہلی گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔

-v نہرو رپورٹ..................... میں پیش کی گئی۔

5۔ کالم 'الف' کو کالم 'ب' سے ملا کر درست جواب کالم 'ج' میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
شریف رپورٹ	22 دسمبر 1939ء	
یوم نجات	1935ء کا ایکٹ	
پیرپور رپورٹ	4 مارچ 1939ء	
کانگرسی وزارتوں کا قیام	15 نومبر 1938ء	
صوبوں کی خود مختاری	1937ء	

6- تفصیل کے ساتھ جواب دیں۔

i- قائداعظمؒ کے چودہ نکات لکھیں۔

ii- خطبہ الٰہ آباد کا خلاصہ اور اہمیت تحریر کریں۔

iii- قائداعظمؒ نے دہلی تجاویز کیوں پیش کیں؟ اس کے اہم نکات بیان کریں۔

iv- نہرو رپورٹ کے اہم نکات بیان کریں نیز یہ بھی بتائیں کہ مسلمانوں نے اس رپورٹ کی مخالفت کیوں کی؟

v- 1937ء کی کانگرسی وزارتوں کے مظالم بیان کریں۔

سرگرمیاں

- اپنی جماعت میں یوم قائداعظمؒ کی تقریب منعقد کریں۔
- ٹیچر طلبہ کو جنگ عظیم دوم میں مسلمانوں کے کردار کے بارے میں بتائیں۔

قیام پاکستان کے لیے جدوجہد

(Struggle for Pakistan)

حاصلاتِ تعلم: Students Learning Outcomes

اس باب کے مطالعے سے طلبہ اس قابل ہوجائیں گے کہ وہ:

- قائداعظم محمد علی جناحؒ کے صدارتی خطبہ کے حوالے سے قرار دادلاہور 1940ء کی وضاحت کرسکیں۔
- مسلمانوں کے پاکستان کے مطالبے کے حوالے سے کرپس تجاویز 1942ء کے اہم نکات بیان کرسکیں۔
- مسلم لیگ کے استحکام کے حوالے سے ہندوستان چھوڑ دو تحریک 1942ء کے ہندوستان کی سیاست پر اثرات بیان کرسکیں۔
- راج گوپال اچاریہ فارمولا کے اہم خدوخال اور ہندوستان کی مستقبل کی سیاست پر جناحؒ، گاندھی مذاکرات 1944ء کے اثرات کا تجزیہ کرسکیں۔
- شملہ کانفرنس 1945ء کے اہم نکات اور اس کی ناکامی کے اسباب پر گفتگو کرسکیں۔
- 1945-46ء کے انتخابات میں اہم مسائل اور مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے نتائج بیان کرسکیں۔
- انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی اس کے برصغیر کے مسلمانوں کی واحد ترجمان ہونے کے دعوے کی توثیق اور مطالبہِ پاکستان کی وضاحت کرسکیں۔
- گروپوں اور محدود مرکزی اختیارات کے حوالے سے کابینہ مشن 1946ء کی تجاویز بیان کرسکیں۔
- وضاحت کرسکیں کہ مسلم لیگ نے پہلے جون 1946ء میں کابینہ مشن کی تجاویز کو قبول کیا پھر ان کو رد کرکے راست اقدام کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔
- عبوری حکومت 1946ء کے قیام اور مسلم لیگ کو اس میں شامل کرنے میں انگریزوں کی بدعہدی پر گفتگو کرسکیں۔
- عبوری حکومت میں وزیر خزانہ کی حیثیت سے لیاقت علی خاں کا کردار بیان کرسکیں۔
- لندن کانفرنس 1946ء اور اس میں مطالبہ پاکستان کی منظوری کی وضاحت کرسکیں۔
- لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بطور وائسرائے اور گورنر جنرل تقرری اور تقسیم کے منصوبے کو بیان کرسکیں۔
- 3 جون 1947ء کے منصوبے اور قانون آزادیِ ہند 1947ء کے اہم خدوخال پر گفتگو کرسکیں۔
- 3 جون سے قیام پاکستان 14 اگست 1947ء تک اہم واقعات کا تجزیہ کرسکیں۔
- بانی پاکستان کی حیثیت سے قائداعظمؒ کا کردار بیان کرسکیں۔
- پاکستان بنانے میں اقلیتوں کا کردار واضح کرسکیں۔

قراردادلاہور1940ء

پس منظر

مارچ1940ء سے تحریک پاکستان کا فیصلہ کن دور شروع ہوا۔اب مسلمانانِ برصغیر قائداعظمؒ کی رہنمائی میں منظم ہو چکے تھے۔برصغیر کے ہر علاقے کے مسلمان اس بات پر متفق تھے کہ جہاں جہاں ان کی اکثریت ہے ان علاقوں کو ملا کر ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہو۔

برصغیر میں انگریزوں کے تسلط کے بعد، مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اپنے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد شروع ہوگئی۔ ہندو اپنی غالب اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنا چاہتے تھے۔ 1940ء تک دونوں اقوام کے درمیان کئی معاملات پر اتفاق بھی ہوا مگر مجموعی طور پر مسلمانوں کا ہندوؤں کے بارے میں خیال تھا کہ ہندو کسی طور مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرنے پر تیار نہیں بلکہ وہ انھیں اپنے زیرِ تسلط رکھنا چاہتے ہیں۔اس کی واضح مثال کانگرسی وزارتوں کے دور میں ہندوؤں کا مسلمانوں سے سلوک تھا۔

اس پس منظر میں مسلمان رہنماؤں نے سوچا کہ مسلمان اپنے لیے الگ ملک کا مطالبہ کریں تاکہ وہ کسی خوف کے بغیر آزاد وطن میں زندگی گزار سکیں۔مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی ضرورت کا خیال خاصا پرانا تھا۔کئی مسلمان رہنما وقتاً فوقتاً اس کی طرف اشارہ کر چکے تھے۔مگر اس کا واضح تصور علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے 1930ء کے خطبہ الہ آباد میں پیش کیا تھا۔

انگریز غیر ملکی تھے اور دوسری جنگ عظیم (1939ء - 1945ء) کے دوران ان کے برصغیر سے چلے جانے کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔مسلمان یہاں سینکڑوں سال حکومت کر چکے تھے۔شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں میں ان کی اکثریت تھی، لہٰذا وہ قوم کی تعریف پر ہر طرح سے پورا اترتے تھے۔ وہ حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔کانگرسی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔جس اصول کے تحت ہندو انگریزوں سے حکمرانی کا حق مانگتے تھے، اسی اصول کے تحت مسلمانوں کو بھی اپنے اکثریتی علاقوں میں حکومت کرنے کا حق تھا۔اس خطے میں آزاد مسلم ریاست کا قیام برصغیر کے سیاسی مسئلے کا واحد حل تھا، لہٰذا مطالبہ پاکستان کا بھرپور جواز موجود تھا۔

قراردادلاہور

22مارچ تا 24مارچ 1940ء کو پنجاب کے دل لاہور کے اقبال پارک (پرانا نام منٹو پارک) میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا، جس کی صدارت قائداعظمؒ نے کی۔اس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔اس موقع پر قائداعظمؒ نے فرمایا کہ برصغیر میں اسلام اور ہندومت دو الگ مذہب ہیں اور مسلمان یہاں کی اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ قوم ہیں۔مسلمانوں کا اندازِ فکر، تہذیب وثقافت، تمدن، معاشرت اور رسم ورواج الگ ہیں، لہٰذا انھیں اپنا علاقہ، اپنا وطن اور اپنی ریاست الگ چاہیے تاکہ وہ ایک

آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنا تشخص قائم رکھ سکیں۔ قائداعظمؒ نے کہا کہ اگر برطانوی حکومت برصغیر کے لوگوں کے لیے واقعی امن اور خوشی چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ برصغیر کو دو خود مختار اور آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دے۔ انھوں نے واضح کیا کہ مسلمان کوئی ایسا دستور قبول نہیں کریں گے جس سے ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے۔ قائداعظمؒ کی تقریر کی روشنی میں ایک قرارداد مرتب کی گئی جسے 23 مارچ 1940ء کے اجلاس میں شیر بنگال فضل الحق نے پیش کیا۔ چودھری خلیق الزماں، مولانا ظفر علی خاں اور چند دیگر ارکان نے اس کی پرزور تائید کی۔ قرارداد میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ:-

قائداعظمؒ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے

> ''مسلم لیگ کی سوچی سمجھی رائے کے مطابق اس ملک میں وہی دستور قابل عمل اور مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہوگا جس میں برصغیر کا مسلم اور ہندو علاقوں میں تقسیم کرنے کا واضح ذکر موجود ہو۔ اس کی تقسیم اس انداز سے کی جائے کہ برصغیر کے شمال مغربی اور مشرقی مسلم اکثریت کے علاقوں کو ملا کر مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم ہو جائیں۔ مسلم اور ہندو خود مختار ریاستوں میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی اور انتظامی حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لیے مؤثر تحفظات کا انتظام کیا جائے''۔ اس قرارداد میں ریاستوں کا لفظ استعمال کیا گیا تھا، مگر 1946ء میں اس میں ترمیم کر کے ریاست یعنی پاکستان کے حصول کا مطالبہ کیا گیا۔

یہی قرارداد لاہور بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس قرارداد کے منظور ہونے کے بعد مسلمانوں کی سیاسی تحریک ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔ مسلم لیگ کے زیر اہتمام ملک بھر میں اجلاس منعقد ہوئے جن میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔ کانگرس کا ردعمل شدید تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن قائم نہ ہونے دیا جائے۔ سکھ جماعت اکالی دل اور ہندو جماعت کانگرس نے پاکستان کے تصور کی بھرپور مخالفت کی، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرارداد پاکستان کی منظوری سے کانگرس بوکھلا گئی تھی۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد حصول پاکستان کی جدوجہد شروع ہوئی جو سات سال جاری رہی۔ ہندوؤں اور انگریزوں نے اس کے راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کیں لیکن مسلمانوں کا ارادہ پکا تھا اور ان میں ایک سچی لگن تھی۔ انھیں اپنے موقف کے درست ہونے کا پکا یقین تھا اس لیے دشمنوں کی چالیں بالآخر ناکام رہیں۔

کرپس تجاویز

دوسری عالمی جنگ کے دوران جب انگریزوں کی حالت کمزور تھی اور برصغیر پر جاپانی قبضہ ہوتا نظر آ رہا تھا، تو برطانوی

حکومت نے برصغیر کے سیاسی بحران کو حل کرنے کے لیے سر سٹیفورڈ کرپس (Sir Stafford Cripps) کی قیادت میں ایک مشن بھیجا۔ کرپس کو حکومت کی طرف سے تجاویز کا ایک مسودہ دے کر بھیجا گیا تھا۔ برصغیر میں آتے ہی اس نے مسلم لیگ، کانگرس، اکالی دل اور دوسری پارٹیوں کے رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک ہفتہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کرپس تجاویز کا خلاصہ یہ تھا:

1- دوران جنگ برصغیر پر برطانیہ کا قبضہ برقرار رہے گا اور جنگ ختم ہونے کے بعد ملک میں ایک دستور ساز اسمبلی بنائی جائے گی جو ملک کے لیے دستور تیار کرے گی۔

2- آئین وفاقی طرز کا ہوگا جس میں تمام صوبے اور ریاستیں شامل ہوں گی۔

3- دستور میں یہ گنجائش رکھی جائے گی کہ وفاق میں شامل ہر صوبہ اگر چاہے تو دس سال کے بعد یونین سے الگ ہو سکتا ہے۔ اس طرح الگ ہونے والے صوبے اور ریاستیں اگر چاہیں تو اپنا الگ وفاق بھی بنا سکتے ہیں۔

مسلم لیگ اور کانگرس کا ردعمل

مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے کرپس تجاویز کو مسترد کر دیا۔ کرپس تجاویز سے متعلق کانگرس کا مؤقف تھا کہ چونکہ اس میں برصغیر کی تقسیم کا اشارہ موجود ہے اس لیے اسے یہ قابل قبول نہیں۔ مسلم لیگ نے بھی ان تجاویز کو رد کر دیا۔ مسلم لیگ کا اعتراض تھا کہ اس میں پاکستان کے قیام کا واضح اور سیدھے الفاظ میں وعدہ نہیں کیا گیا۔ کرپس مشن کی ناکامی کے بعد برصغیر کے سیاسی حالات مزید خراب ہو گئے۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک

کرپس کی واپسی کے بعد کانگرس نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا نعرہ لگایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریز حکومتی اختیارات ہندوؤں کے حوالے کر کے اپنے ملک واپس چلے جائیں۔ ہندو اکثریتی صوبوں میں کانگرسیوں نے بدامنی پھیلا دی۔ انھوں نے کئی شہروں میں ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ دیں، بجلی کے تار کاٹ دیے اور متعدد عمارتوں کو آگ لگا دی مگر جلد ہی حکومت نے اس تحریک کو دبا دیا۔ اس تحریک کے چلانے میں مسلمانوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس کے برعکس قائداعظمؒ کا نعرہ تھا ''تقسیم کرو اور چلے جاؤ''۔ قائداعظمؒ کی سوچ تھی کہ انگریزوں کے جانے کے بعد ہندو مسلمانوں کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کریں گے، لہٰذا انگریزوں کو چاہیے کہ پہلے برصغیر کی تقسیم کریں، پھر واپس چلے جائیں۔ ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک کی ناکامی سے کانگرس پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر آزادی کی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔

راج گوپال اچاریہ فارمولا 1943ء

کانگرس کے ایک اہم رہنما راج گوپال اچاریہ نے کانگرس اور مسلم لیگ کے اختلافات کو دور کرنے کے لیے ایک فارمولا پیش کیا:

فارمولا کے اہم نکات

1۔ مسلم لیگ آزادی ہند کا مطالبہ کرے گی۔

2۔ عبوری حکومت قائم کرنے میں کانگرس سے تعاون کرے گی۔

3۔ جنگ کے خاتمے کے بعد مسلم اکثریتی اضلاع میں استصواب رائے کے ذریعے معلوم کیا جائے کہ ان کا پاکستان کے بارے میں فیصلہ کیا ہے۔

قائداعظمؒ ان تجاویز کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ سے کہا گیا کہ خود فیصلہ کریں۔اس فارمولے کے ناقابل قبول ہونے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس پر عمل درآمد کا طریقہ کار واضح نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس فارمولے کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

جناحؒ - گاندھی مذاکرات

سیاسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے بمبئی میں قائداعظمؒ اور گاندھی کے درمیان 9 ستمبر سے 27 ستمبر 1944ء میں مذاکرات ہوئے۔جن میں گاندھی نے دوقومی نظریہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔اور ملک کی تقسیم سے پہلے آزادی پر اصرار کیا۔لہٰذا یہ مذاکرات ناکام ہوئے۔

شملہ کانفرنس

1945ء میں دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کی کامیابی کے واضح آثار نظر آنے لگے۔لارڈ ویول (Lord Wavell) برصغیر کے اتحاد کا حامی تھا۔وہ چاہتا تھا کہ جنگ کے بعد مسلم لیگ اور کانگرس مرکزی حکومت میں شریک ہو جائیں۔اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے اس نے جون 1945ء میں شملہ میں سیاسی جماعتوں کی ایک کانفرنس بلائی۔کانگرس نے مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنی طرف سے بھیجا تاکہ یہ بات ثابت کی جاسکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔مسلم لیگ کی نمائندگی قائداعظمؒ نے کی، جبکہ شرومنی اکالی دل کی نمائندگی ماسٹر تارا سنگھ نے کی۔پنجاب کے وزیراعظم خضر حیات ٹوانہ بھی کانفرنس میں شریک ہوئے۔لارڈ ویول چاہتا تھا کہ نئی مرکزی حکومت میں پانچ مسلمان وزیر اور پانچ ہندو وزیر ہوں جبکہ تین وزیر دوسری اقوام سے لیے جائیں۔

مسلم لیگ اور کانگرس کا ردعمل

کانگرس مسلم لیگ کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہ ہوئی کہ پانچوں مسلمان وزیر مسلم لیگ مقرر کرے۔اس کا مطالبہ تھا کہ ایک مسلمان وزیر کا نام وہ پیش کرے گی۔ویول بھی کانگرس کے موقف کا حامی تھا مگر قائداعظمؒ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور عام انتخابات کا مطالبہ کیا تاکہ فیصلہ ہو جائے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کون کرتا ہے۔یہ کانفرنس ناکام ہو گئی البتہ اہم سیاسی جماعتوں نے ملک میں انتخابات کرانے کے مطالبے سے اتفاق کیا۔کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار لارڈ ویول تھا، جس نے پنجاب کی یونینیسٹ پارٹی کا ایک نمائندہ کونسل میں مقرر کرنا چاہا، جس سے قائداعظمؒ نے اتفاق نہ کیا۔برصغیر میں مسلم، ہندو مسئلہ، کانگرس اور مسلم لیگ کا

مسئلہ تھا،مگر لارڈ ویول نے یونینیسٹ پارٹی کی خاطر کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ دار کانگرس بھی تھی، جس نے قائداعظمؒ کا ساتھ نہ دیا۔

46 - 1945ء کے انتخابات

مسلم لیگ نے پاکستان کے سوال پر عام انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ مسلمانوں کی واضح اکثریت نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہوا۔ اس میں تمام مسلم نشستوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ اگلے ماہ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے اس میں بھی بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ پنجاب، بنگال، سندھ میں مسلم نشستوں پر مسلم لیگ کا قبضہ ہوگیا۔ کانگرس نے صرف صوبہ سرحد میں سترہ نشستیں حاصل کیں۔ ہندوصوبوں میں بھی مسلم لیگ کی کامیابی شاندار تھی۔ اکثر جگھوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوگئے اور مخالف امیدواروں کو بری طرح شکست ہوئی۔

46 - 1945ء کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج	
پارٹی کا نام	حاصل کردہ نشستیں
آل انڈیا مسلم لیگ	30
انڈین نیشنل کانگرس	59
اکالی دل	02
یورپین	08
آزاد	03
کل نشستیں	102

انتخابات کے نتائج نے یہ بات ثابت کردی کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور یہ کہ وہ پاکستان کا قیام چاہتے ہیں نیز مسلم لیگ کو ہی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق حاصل ہے۔ اس کے باوجود کانگرس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کا ترجمان تسلیم نہ کیا اور خود مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کا دعوٰی کرتی رہی۔ انتخابات کے بعد بنگال میں مسلم لیگ نے حکومت بنائی۔ سندھ میں مسلم لیگ کی حکومت بنی۔ سرحد میں کانگرس نے مخلوط حکومت بنائی۔ 1946ء کے انتخابات نے ثابت کر دیا کہ کہ ''پاکستان'' ایک عوامی اور جمہوری مطالبہ تھا۔ پاکستان مخالف جماعتوں نے پنجاب میں اکثریتی جماعت ہونے کے باوجود مسلم لیگ کو حکومت نہ بنانے دی، مگر وہ تحریک پاکستان کی انقلابی تحریک کو نہ روک سکے۔

وزارتی مشن 1946ء

برطانیہ کی نئی لیبر حکومت، کانگرس کی بڑی طرفداری کرتی تھی۔ اس نے 1946ء ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سمجھوتہ کرانے کے لیے تین وزیروں کا ایک وفد بھیجا۔ گفت وشنید کے بعد یہ وفد اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسلم لیگ کی رضامندی کے بغیر کام نہ چلے گا۔ اس مشن کو وزارتی مشن کہتے ہیں۔

تجاویز

وزارتی مشن نے اپنی تجاویز میں صوبوں کے تین گروپ بنائے۔

گروپ اے: تمام ہندو اکثریتی صوبے یعنی مدراس، بمبئی، سی پی، یوپی اور اڑیسہ

گروپ بی: پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان

گروپ سی: بنگال اور آسام

مرکزی حکومت کے پاس تین محکمے تھے۔ باقی تمام اختیارات صوبوں کو حاصل تھے۔ اس نظام میں گروپ بندی کی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اگر کوئی گروپ چاہے تو دس برس بعد اپنی آزاد حکومت قائم کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ تجویز بھی کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نئی حکومت میں شامل ہو جائیں۔ منصوبے کے دونوں حصوں کو قبول کرنا لازمی تھا۔ منصوبے میں واضح کیا گیا تھا کہ جو سیاسی جماعت اس منصوبے کو من وعن قبول کرے گی اسے حکومت بنانے کا اختیار دیا جائے گا۔ مسلم لیگ نے پورے منصوبے کی منظوری دے دی مگر کانگرس نے منصوبے کا صرف پہلا حصہ قبول کیا اور دوسرے حصے کو ماننے سے انکار کر دیا۔

عبوری حکومت

وزارتی مشن کا پورا منصوبہ قبول کرنے کے بعد مسلم لیگ حکومت بنانے کی حقدار تھی لیکن انگریز نے اس کو یہ حق دینے سے انکار کر دیا۔ حکومت کی وعدہ خلافی کی وجہ سے مسلم لیگ نے وزارت میں شمولیت کا فیصلہ واپس لے لیا اور راست اقدام کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے کانگرس کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی اجازت دے دی جسے کانگرس نے فوراً منظور کر لیا۔ چنانچہ جواہر لال نہرو کی سرکردگی میں کانگرس کے کچھ وزرا کو حکومت میں شامل کر لیا گیا لیکن جلد ہی وائسرائے کو احساس ہو گیا کہ مسلم لیگ کی شمولیت کے بغیر عبوری حکومت نہیں چل سکے گی۔ اس لیے اس نے مسلم لیگ کو بھی وزارت میں شمولیت کی پیش کش کر دی جسے مسلم لیگ نے قومی مفاد کی خاطر قبول کر لیا۔ لیاقت علی خان کی سرکردگی میں مسلم لیگ کے پانچ ارکان بھی مرکزی حکومت میں شامل ہو گئے۔ پانچ مرکزی محکمے مسلم لیگ کے حصہ میں آئے۔

لیاقت علی خاں، بحیثیت وزیر خزانہ

لیاقت علی خاں

لیاقت علی خاں کے سپرد خزانہ کا محکمہ ہوا۔ ہندوؤں نے یہ محکمہ مسلم لیگ کو صرف اس لیے دیا تھا کہ وہ اس کو چلا نہ سکے گی اور ناکام ہو جائے گی، مگر لیاقت علی خاں کامیاب وزیر خزانہ ثابت ہوئے۔ انھوں نے سالانہ بجٹ اس طرح تیار کیا کہ اس سے غریبوں کو فائدہ ہوا۔ ہندو سرمایہ دار گھاٹے میں رہے۔ بڑے بڑے ہندو ساہو کار کانگرس کو پیسے دیتے تھے، اب وہ کانگرس کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔ اس پر ہندوؤں نے بجٹ کی مخالفت شروع کر دی جس سے حالات خراب ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

لندن کانفرنس 1946ء

جب 9 دسمبر 1946ء کو منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا تو مسلم لیگ کو کامیاب امیدواروں نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ تھا کہ کانگرس پہلے صوبوں کی گروپ بندی کی دفعہ کی مکمل وضاحت کرے اور اسے تسلیم کرے۔ 20 نومبر 1946ء کو وائسرائے نے کابینہ مشن کے تحت دعوت نامے جاری کر دیے اور آئین ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا۔ قائد اعظمؒ نے اس پر سخت احتجاج کرتے ہوئے اس قدم کو سنگین غلطی قرار دیا اور کہا کہ وائسرائے کانگرس کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اس دوران میں کانگرس نے مسلم لیگ کے امیدواروں سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر دیا جس سے حالات مزید خراب ہو گئے۔ دسمبر 1946ء کو حکومت برطانیہ نے کانگرس اور مسلم لیگ کو اپنے دو دو نمائندے لندن بھیجنے کی دعوت دی۔ لندن میں دونوں پارٹیوں کے نمائندوں کی بات چیت ہوئی لیکن ناکام ہوئی۔

3 جون 1947ء کا منصوبہ

برطانوی وزیر اعظم ایٹلی (Attlee) نے برصغیر کو آزاد کر دینے کا وعدہ کر رکھا تھا چنانچہ 20 فروری 1947ء کو اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے اس نے اعلان کیا کہ جون 1948ء تک حکومت برطانیہ ہندوستان کو آزاد کر دے گی۔ اس دن سے اختیارات ذمہ دار لوگوں کو سونپ دیے جائیں گے۔ یہ اختیارات مرکزی حکومت یا بعض علاقوں میں موجود صوبائی حکومتوں کے سپرد کر دیے جائیں گے یا اس کے لیے کوئی اور موزوں طریقہ استعمال کیا جائے گا جو اہلِ ملک کے بہترین مفاد میں ہو۔ اس موقع پر یہ بھی اعلان کیا گیا کہ مارچ 1947ء میں لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے کے عہدے کا چارج سنبھالیں گے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن

ماؤنٹ بیٹن ذہنی طور پر برصغیر کی تقسیم کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس لیے یہاں

آتے ہی اس نے سیاسی رہنماؤں سے بات چیت شروع کر دی تاکہ مسلم لیگ اور کانگرس کو تقسیم کے کسی مشترکہ فارمولے پر متفق کر سکے۔ دونوں جماعتوں سے مذاکرات کے نتیجے میں ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم کا ایک منصوبہ مرتب کیا اور اسے لے کر حکومت برطانیہ کی منظوری کے لیے لندن روانہ ہو گیا۔ حکومت کی منظوری کے بعد 3 جون 1947ء کو اس منصوبے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

منصوبے کے اہم نکات

1- موجودہ دستور ساز اسمبلی اپنا کام جاری رکھے گی لیکن اس دستور کا نفاذ ملک کے صرف ان حصوں پر ہوگا جس کے عوام اسے قبول کرنے پر رضامند ہوں گے۔
2- پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں میں مسلم اور غیر مسلم اکثریت رکھنے والے اضلاع کے نمائندے ووٹ کے ذریعے یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت میں۔ اگر وہ تقسیم کے حق میں رائے دیں تو حد بندی کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔
3- صوبہ سندھ کی قانون ساز اسمبلی کثرت رائے سے یہ فیصلہ کرے گی کہ وہ صوبہ سندھ کو بحیثیت مجموعی بھارت میں شامل کرنا چاہتی ہے یا پاکستان میں۔
4- شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام کے ضلع سلہٹ کے عوام استصواب رائے سے فیصلہ کریں گے کہ وہ کس ریاست سے الحاق چاہتے ہیں۔
5- بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت یا عدم شمولیت کا فیصلہ شاہی جرگہ یا میونسپل کمیٹی کرے گی۔
6- چھوٹی بڑی شاہی ریاستیں جنھیں دیسی ریاستیں بھی کہتے ہیں پاکستان یا بھارت میں شمولیت کے لیے خود مختار ہوں گی۔
7- حکومت برطانیہ جون 1948ء سے پہلے انتقال اقتدار کے لیے تیار ہے۔ اس مقصد کے لیے اسی سال پارلیمنٹ میں مسودہ قانون پیش کیا جائے گا اور منظوری کے بعد ایک یا دو ریاستوں کو درجہ نو آبادیات کی بنیاد پر اقتدار منتقل کر دیا جائیگا۔

تقسیم کے اس منصوبے کو مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے قبول کر لیا۔ سلہٹ اور صوبہ سرحد میں رائے شماری کرائی گئی۔ انھوں نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور اسی طرح سندھ کی اسمبلی اور بلوچستان کے جرگہ اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی نے بھی پاکستان میں شمولیت کے حق میں فیصلہ دیا۔

ریڈ کلف ایوارڈ

صوبہ بنگال اور صوبہ پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور نئی سرحدوں کے تعین کے لیے وائسرائے نے 30 جون 1947ء کو پنجاب اور بنگال میں حد بندی کمیشن مقرر کیے۔ ایک انگریز قانون دان مسٹر ریڈ کلف کو دونوں کمیشنوں کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ اختلافات کی صورت میں اسے ثالثی فیصلہ کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔ اس کمیشن نے جو فیصلہ کیا اسے ریڈ کلف ایوارڈ کہتے ہیں۔

ریڈکلف ایوارڈ میں سرحدوں کے بارے میں جو اعلان کیا گیا تھا وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈکلف نے کانگرس نوازی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ پاکستان سے ملحقہ مسلم اکثریت کے کئی اہم علاقے بھارت کے حوالے کر دیے گئے۔ گورداسپور کا مسلم علاقہ بھارت کو دے کر کشمیر تک اس کی رسائی کو ممکن بنا دیا۔ اسی قسم کی دیگر بے انصافیاں سابقہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کی حد بندی کے سلسلے میں بھی کی گئیں۔ قیمتی اثاثوں اور فوجی ساز و سامان کی تقسیم کے متعلق بھی بہت دھاندلیاں ہوئیں۔ اسلحہ اور فوجی ساز و سامان میں سے پاکستان کو اس کا جائز حصہ نہ دیا گیا۔ جو سامان دیا گیا وہ بھی بے کار اور ٹوٹا پھوٹا تھا۔ تمام اسلحہ ساز فیکٹریاں بھارت کے علاقے میں تھیں۔ پاکستان نے مطالبہ کیا کہ اسے بھی اسلحہ ساز فیکٹریوں کی مشینری کا حصہ دیا جائے لیکن بھارت نے اس کے بدلے میں کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا۔ بھارت نے اس وعدے کی بھی خلاف ورزی کی اور پوری ادائیگی نہ کی۔ گویا لارڈ مونٹ بیٹن نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر پاکستان کو کم ساز و سامان، کم اثاثے اور کم رقبہ دے کر اسے ہر لحاظ سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

قیامِ پاکستان

18 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے قانون آزادی ہند 1947ء منظور کیا۔ اس کی رو سے برصغیر میں دو آزاد خود مختار مملکتیں وجود میں آئیں۔

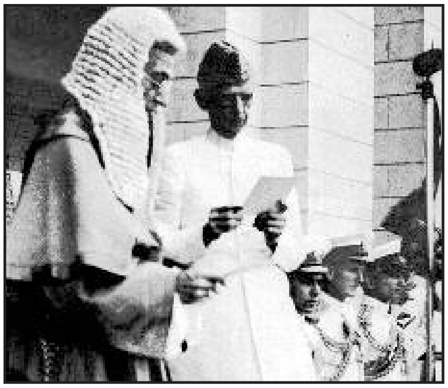

قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کا حلف اٹھاتے ہوئے

13 اگست 1947ء کو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی پہنچے۔ 14 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن ایک جلوس کی شکل میں دستور ساز اسمبلی کی عمارت میں پہنچے۔ وائسرائے نے باضابطہ طور پر قائداعظمؒ کو نئی مملکت کے اختیارات منتقل کیے۔ قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ لیاقت علی مملکت پاکستان کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اس طرح ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔ قائداعظمؒ نے اپنی فہم و فراست اور خدائے ذوالجلال کی مدد سے ایک ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا۔

بانیٔ پاکستان کی حیثیت سے قائداعظمؒ کا کردار

قائداعظمؒ 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی۔ 1892ء میں آپ قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ تشریف لے گئے۔ 1896ء میں واپسی پر آپ نے بمبئی میں وکالت کا آغاز کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک مشہور وکیل بن گئے۔ آپ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز 1906ء میں انڈین نیشنل کانگرس میں شمولیت سے کیا۔ اس وقت آپ کانگرس کے صدر دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ 1909ء میں آپ بمبئی سے مرکزی قانون ساز کونسل

قائداعظمؒ

کے رکن منتخب ہوئے۔ دس برس تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔

1913ء میں آپ مسلم لیگ کے رکن بھی بن گئے اور 1916ء کے اجلاس کی صدارت کی۔ آپ نے ہندو مسلم اتحاد اور آئینی مفاہمت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ چار سال بعد آپ پھر مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال تحریک عدم تعاون پر اختلاف کی وجہ سے آپ نے کانگرس سے علیحدگی اختیار کی۔ 1923ء اور 1931ء کے دوران آپ تین مرتبہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1929ء میں آپ نے نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنے مشہور چودہ نکات پیش کیے۔ آپ نے پہلی گول میز کانفرنس میں بھی شرکت کی۔ اسی دوران آپ نے اپنی ذاتی حکمت عملی کے طور پر برطانیہ میں قیام کا فیصلہ کیا تاکہ برصغیر کے مسلمانوں کو اصلی رہنما کی پہچان ہو سکے۔ آپ نے برصغیر خاص کر مسلمانوں کے حالات سے اپنے آپ کو باخبر رکھا۔ 1934ء میں بمبئی کے مسلمانوں نے آپ کی غیر حاضری میں آپ کو مرکزی اسمبلی کے لیے منتخب کر لیا۔ 1935ء میں آپ برصغیر میں واپس تشریف لے آئے اور ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ اور مسلمانوں کو منظّم کیا۔

مسلم لیگ اس وقت خاصی کمزور ہو چکی تھی۔ آپ نے مسلم لیگ کو دوبارہ مؤثر کرنے کے لیے تمام مسلم رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا اور انھیں اس کی حمایت کرنے اور 1937ء کے صوبائی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے اس میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ آپ کی کوششوں سے مسلم لیگ نے پہلی دفعہ صوبائی انتخابات میں حصہ لیا۔ آپ نے 1937ء میں پنجاب کے وزیر اعظم اور پنجاب یونینیسٹ پارٹی کے سربراہ سکندر حیات کے ساتھ معاہدہ کر کے اسے مسلم لیگ کا ممبر بنا لیا۔ چنانچہ 1937ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پنجاب، بنگال اور آسام کے مسلم وزرائے اعلیٰ نے شرکت کی۔ مسلمانوں کے حقوق کی جرأت مندانہ ترجمانی کے پیش نظر آپ حقیقی معنوں میں قوم کے رہبر اور قائداعظمؒ کی حیثیت اختیار کر گئے۔ آپ نے کانگرسی وزارتوں کی مسلم دشمن کارروائیوں کے بے نقاب کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ مسلم لیگ نے آپ کی سربراہی میں ان کی مذمّت کے لیے کئی قراردادیں منظور کیں۔ اس سے مسلمانوں میں قومی شعور و اتحاد پیدا کرنے میں بڑی مدد ملی۔

1938ء میں سندھ مسلم لیگ نے آپ کی موجودگی میں مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کے لیے قرارداد منظور کی۔ مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں آپ نے اپنی تقریر کے دوران مسلم قومیت کی پُرزور وکالت کی۔ آپ کے مطابق اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی آئینی منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے تمام کوششیں اس مطالبے کو تسلیم کروانے کے لیے وقف کر دیں۔

برصغیر کے مسلمان سیاسی و اقتصادی طور پر پسماندہ اور متعدد جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ برطانوی حکومت اور ہندو لیڈر مطالبہ پاکستان کو کسی صورت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ قائداعظمؒ نے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے انتھک محنت کی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، خواتین اور تمام مسلمان گروہوں کو آزادی کی طرف مائل کیا۔ آپ نے برصغیر کے تمام علاقوں کے دورے کیے اور لاتعداد جلسوں سے خطاب کیا جس کے نتیجے میں مطالبہ پاکستان پوری قوم کی متفقہ آواز کی شکل اختیار کر گیا۔ آپ نے ہندو لیڈروں سے خط و کتابت، کرپس سے مذاکرات اور شملہ کانفرنس کے دوران مسلمانوں کے موقف کی جرات مندانہ ترجمانی کی۔ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں مسلم لیگ نے 46-1945ء کے انتخابات میں بے مثال کامیابی حاصل کی۔ اس دوران قوم نے بے انتہا جذبہ و اتحاد کا مظاہرہ کیا اور اپنے محبوب قائد کی سرکردگی میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی حیثیت اختیار کر گئی۔ تحریک پاکستان میں تمام طبقوں کے لوگوں نے اپنا بھر پر کردار ادا کیا۔ آخرکار مسلمان قائداعظمؒ کی قیادت میں اپنا وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قیام پاکستان میں اقلیتوں کا کردار

قیامِ پاکستان میں اقلیتوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کردار ادا کیا۔ انھوں نے قراردادِ لاہور، باؤنڈری کمیشن اور پنجاب کی تقسیم پر اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اِس کے علاوہ جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی تو اُس میں بھرپور فعال کردار ادا کیا۔

قراردادِ لاہور میں اقلیتی رہنماؤں کی شرکت

23 مارچ 1940 کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں منعقد ہوا۔ جس میں درج ذیل اقلیتی رہنماؤں نے خصوصی طور پر اجلاس میں شرکت کی:

- ☆ دیوان بہادر ستیا پرکاش سنگھا ☆ نامور وکیل چوہدری چندو لعل ☆ سی ای گبن ☆ آر اے گومز
- ☆ گروپ کیپٹن (ریٹائرڈ) سیسل چوہدری کے والد ایف ای چوہدری (فوٹوگرافر) ☆ راجکماری امرت
- ☆ فضل الٰہی ☆ الفریڈ پرشاد ☆ جان متھائی ☆ ایس ایس البرٹ

قرارداد لاہور میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفادات کا ان کے مشورے سے تحفظ کرنے کا اعادہ کیا گیا۔

1942 میں آل انڈیا مسلم لیگ (پنجاب) نے دھوبی گھاٹ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے مقام پر ایک بڑے کنونشن کا انعقاد کیا۔ اس کنونشن میں قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناح موجود تھے۔ انڈین کرسچین ایسوسی ایشن کی طرف سے سپاس نامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں قائداعظمؒ نے مسیحی اور شیڈول کاسٹ ہندو منددبین کو یقین دلایا کہ پاکستان میں ''اقلیتوں سے نہ صرف مساویانہ بلکہ فیاضانہ سلوک روا رکھا جائے گا۔''

دیوان بہادر ایس پی سنگھا

ایف ای چوہدری (فوٹوگرافر)

19 نومبر 1942 کو اہل لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کی طرف سے کنگز گارڈن لائل پور میں قائداعظمؒ کو تاریخی استقبالیہ دیا گیا۔ ممتاز سکھ رہنما سردار دلباغ سنگھ نے بلا امتیاز رنگ، نسل و مذہب اقلیتی تنظیموں کی طرف سے نمائندہ تقریر کی۔ قائداعظمؒ نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا کہ ''پاکستان، ہندوستانی الجھنوں کا بہترین حل ہے''۔ ہندو، سکھ اور مسیحی رہنماؤں نے اس استقبالیہ میں بھرپور شرکت کی۔ اگلے روز 20 نومبر 1942 کو انڈین کرسچین ایسوسی ایشن کے صدر دیوان بہادر ایس پی سنگھا کی درخواست پر قائداعظمؒ نے لورنگ ریسٹورنٹ (موجودہ واپڈا ہاؤس اور پی آئی اے آفس) میں اقلیتی برادری کے استقبالیہ میں شرکت کی۔ اس استقبالیہ میں مسیحی، شیڈول کاسٹ، ہندو، سکھ، اینگلو انڈین کرسچین اور مقامی یورپی رہنما بھی موجود تھے۔ اس موقع پر دیوان بہادر ایس پی سنگھا نے حصول پاکستان کے لیے مسیحیوں کی جانب سے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی اور ''انڈین کرسچین ایسوسی ایشن'' کا ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے ساتھ الحاق کا اعلان بھی کیا۔

باؤنڈری کمیشن میں مسیحی و دیگر اقلیتی قائدین اور تنظیموں کا پاکستان کے حق میں مؤقف

قیام پاکستان میں اقلیتوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ باؤنڈری کمیشن کے روبرو دیوان بہادر ایس پی سنگھا، چوہدری چندولعل، سی ای گبن، فضل الٰہی اور دوسرے مسیحی نمائندوں نے پنجاب کے مسیحیوں کی آبادی کو پاکستان کی آبادی میں شامل کرنے کے لیے اپنا مؤقف ریکارڈ کروایا۔ چوہدری چندولعل ایڈووکیٹ نے گورداسپور اور پٹھان کوٹ کے علاقوں کا خود دورہ کیا اور وہاں کے مسیحیوں کی آبادی کو پاکستان میں شامل کیے جانے کے بارے میں قراردادیں منظور کروا کر باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کیں۔ باؤنڈری کمیشن کے سامنے اقلیتی تنظیموں مثلاً دی جوائنٹ کرسچین بورڈ، پنجاب شیڈولڈ کاسٹس فیڈریشن جالندھر، آل انڈیا کرسچین ایسوسی ایشن پنجاب اور بابا جیون سنگھ مذہبی دَل امرتسر کی طرف سے پانچ پانچ کاپیوں پر مشتمل یادداشت پیش کی گئی جس میں پاکستان کی حمایت کی گئی تھی۔

سیالکوٹ کے رام داسیہ سکھ رہنما پورن سنگھ رام داسیہ نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے یادداشت پیش کی کہ ہماری قسمت کا فیصلہ پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ کیا جائے اور پنجاب کی سرحد طے کرتے وقت شیڈولڈ کاسٹس (دیگر ذاتیں) کو مسلمانوں کے ساتھ شامل کیا جائے۔ اس یادداشت کو جوگندر ناتھ منڈل کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ جوگندر ناتھ منڈل، قائداعظمؒ کے ساتھی اور پاکستان کے پہلے وزیر قانون تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ اور آپ کے ساتھ دیگر اچھوت ہندو رہنماؤں نے باؤنڈری کمیشن کے روبرو کہا کہ ہمیں پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ شامل کیا جائے۔

تحریک پاکستان میں پارسی اقلیت نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ جمشید نصروانجی مہتہ (Jamshed Nusserwanjee Mehta) قیام پاکستان کے بعد کراچی شہر کے میئر بنے۔ 1947ء میں آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

پنجاب کو پاکستان میں شامل کرانے کے لیے مسیحی نمائندوں کے ووٹ

قائداعظمؒ نے تحریک پاکستان میں اقلیتوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے لاہور میں مسیحی رہنما چوہدری چندو لعل ایڈووکیٹ سے ملاقات کی۔ انھوں نے قائداعظمؒ کے ساتھ مل کر مسیحیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلے میں مسیحی رہنما جوشوا فضل دین نے پورے پنجاب کو پاکستان کا حصہ بنانے کی مہم چلائی۔ انھوں نے 1947 میں روزنامہ ٹریبیون "Tribune" میں بیان جاری کیا۔ "پنجاب کی تقسیم کا تجربہ انسانی تاریخ کے منافی ہوگا بہتر ہے کہ پورے پنجاب کو پاکستان میں شامل کیا جائے۔"

پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے منتخب مسیحی ارکان کا ایک نمائندہ اجلاس دیوان بہادر ایس پی سنگھا کی صدارت میں 21 جون 1947 کو لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں مسیحی نمائندوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ وہ پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے۔ اس طرح پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے تمام مسیحی اراکین نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ مزید یہ کہ اس وقت کی پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے سپیکر دیوان بہادر ایس پی سنگھا نے اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں ڈال کر مسیحی برادری کا مستقبل قائداعظمؒ کی قیادت میں دے دیا۔

اہم نکات

1- 1938ء میں سندھ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کے لیے قرارداد منظور کی۔
2- قرارداد لاہور 1940ء کو شیر بنگال فضل الحق نے پیش کیا۔
3- قرارداد لاہور دراصل قیام پاکستان کے لیے عملی کوششوں کا نقطہ آغاز تھا۔
4- لارڈ ویول (Lord Wavell) نے جون 1945ء میں شملہ میں سیاسی جماعتوں کی ایک کانفرنس بلائی۔
5- 1945-46ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستیں جیت لیں۔
6- 18 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے قانون آزادی ہند 1947ء منظور کیا۔
7- قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔
8- قیام پاکستان میں اقلیتوں نے اہم کردار ادا کیا۔

مشقی سوالات

1-درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i۔ قرارداد پاکستان کب منظور ہوئی؟

الف۔ 1939 ب۔1940ء ج۔1941ء د۔1942ء

ii۔ شملہ کانفرنس کب بلائی گئی؟

الف۔ 1943ء ب۔1944ء ج۔1945ء د۔1946ء

iii۔ وزارتی مشن کی تجاویز میں صوبوں کے کتنے گروپ بنائے گئے؟

الف۔ دو ب۔تین ج۔چار د۔پانچ

iv۔ لیاقت علی کی سرکردگی میں مسلم لیگ کے کتنے ارکان مرکزی حکومت میں شامل ہوئے؟

الف۔ تین ب۔پانچ ج۔سات د۔نو

v۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کب وائسرائے کے عہدے کا چارج سنبھالا؟

الف۔ 1944ء ب۔1945ء ج۔1946ء د۔1947ء

2- مختصر جواب دیں۔

i- قراردادِ لاہور کے اجلاس کی صدارت کس نے کی؟

ii- ہندوستان چھوڑ دو تحریک کا مقصد کیا تھا؟

iii- جناحؒ- گاندھی مذاکرات (1944ء) کیوں ناکام ہوئے؟

iv- شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ کی نمائندگی کس نے کی؟

v- لیاقت علی خاں کس محکمے کے وزیر بنے؟

2-خالی جگہ پر کریں۔

i۔ شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ کی نمائندگی.............................نے کی۔

ii۔ دسمبر 1945ء میں.............................اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔

iii۔ کانگرس کی طرف سے شملہ کانفرنس کی نمائندگی.............................نے کی۔

iv۔ 1945-46ء کے انتخابات میں کانگرس نے صوبہ سرحد میں............................. نشستیں حاصل کیں۔

v۔ وزارتی مشن کی تجاویز کے مطابق مرکزی حکومت کے پاس.......................... محکمے تھے۔

3-درست بیان کے سامنے (✓) اور غلط بیان کے سامنے (X) انشان لگائیں۔

i۔ انگریزوں کے خلاف ہندوستان چھوڑ دو تحریک ہندوؤں نے شروع کی۔

ii۔ شملہ کانفرنس 1945ء میں یہ طے پایا کہ نئی مرکزی حکومت میں پانچ مسلمان وزیر لیے جائیں گے۔

iii۔ 18 جولائی 1946ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے قانون آزادی ہند منظور کیا۔

iv۔ قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔

v۔ ریڈکلف کو صرف پنجاب حد بندی کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔

4- کالم 'الف' کو کالم 'ب' سے ملا کر درست جواب کالم 'ج' میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
قانون آزادی ہند	1945ء	
شملہ کانفرنس کا انعقاد	شیر بنگال فضل الحق	
کمیونل ایوارڈ	18 جولائی 1947ء	
قرارداد لاہور	بمبئی	
جناحؒ- گاندھی مذاکرات	1932ء	

5- تفصیل سے جواب لکھیں۔

i- قرارداد پاکستان کب اور کہاں پیش ہوئی؟ نیز اس کی اہمیت واضح کریں۔

ii- کرپس تجاویز کو مسلم لیگ نے کیوں رد کیا؟

iii- 46 - 1945ء کے انتخابات نے قیام پاکستان کو یقینی بنایا تھا۔ بحث کریں۔

iv- 3 جون 1947ء کے منصوبے کے اہم نکات لکھیں۔

v. بانی پاکستان کی حیثیت سے قائداعظمؒ کا کردار بیان کریں۔

سرگرمیاں

- طلبہ سکول کے زیر اہتمام یوم پاکستان کی تقریب میں حصہ لیں۔
- ٹیچر تحریک پاکستان میں اقلیتوں کے کردار سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

فرہنگ (Glossary)

باب1

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خلفشار	انتشار	حوصلہ شکنی	پست ہمت کرنا
امتیازی سلوک	غیر مساوی رویہ	دھچکا	صدمہ/جھٹکا
مقبوضات	قبضہ شدہ علاقے	چتا	لاش/میت
مفاہمت	کسی معاملے پر باہم سمجھوتا	نومولود	نیا پیدا ہونے والا
غیر انسانی	انسانیت کے خلاف	ترجیح	**کسی** چیز کو دوسری کے مقابلہ میں پسند کرنا
بدحالی	برے حالات	جدید طرز	نئے طریقے
فروغ	آگے بڑھنا/پھیلانا	اشد	حد سے بڑھ کر
متعارف کرانا	جان پہچان کرانا	تعینات	مقرر کرنا

باب2

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مصلح	اصلاح کرنے والا	کسر نہ چھوڑنا	کوئی کمی نہ رہنے دینا
ارتقا	ترقی	دانستہ	جان بوجھ کر
بشمول	شامل ہونا	ثقافت	تہذیب
باور کرانا	یقین دلانا	معتدل	درمیانی درجہ کا
نقطہ نظر	رائے/خیال	پسماندگی	پیچھے رہ جانا
تسلط	غالب آنا، حکومت کرنا	تلخ تجربہ	برا تجربہ
کلیہ	اصول	درس	سبق، وعظ
گامزن	تیز رفتار	نرم گوشہ	شفقت
تردید	کسی بات کا رد کر دینا	وقف کرنا	قربان کرنا
قابلِ قدر	عزت کے قابل	کراہت	بیزاری
محاذ کھولنا	دشمن ہونا	تضادات	اختلافات
داعی	دعویٰ کرنے والا	بھانپ لینا	محسوس کر لینا
اجارہ داری	مکمل قبضہ کرنا	آمریت	کلی اقتدار و اختیار

باب3

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ازالہ	تلافی	عہد شکنی	وعدہ توڑنا
شناس	پہچان	اشتعال انگیزی	غصہ دلانا
گفت وشنید	بات چیت	نقطہ آغاز	شروع کرنا
متفقہ	جس پر اتفاق کیا گیا ہو	اجاگر کرنا	نمایاں کرنا
فعال کیا	سرگرم کیا	شعور	واقفیت

باب4

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دستبردار	چھوڑنا، ترک کرنا	نقطہ نظر	رائے یا خیال
موقف	نقطہ نظر	استصوابِ رائے	لوگوں کی رائے
متضاد	برعکس، الٹا	ضم کرنا	شامل کرنا
پسماندہ	پیچھے رہا ہوا		

باب5

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
زیرِ تسلط	قبضے میں رکھنا	جواز	سبب، وجہ
تہذیب وتمدن	کسی نظام کے تحت زندگی بسر کرنا	معاشرت	طرزِ زندگی
تشخیص	امتیاز، خصوصیات	موقف	نقطہ نظر
زعما	قائد، رہنما	مخلوط	ملا جلا
متفق	اتفاق کرنے والا، ہم خیال	الحاق کرنا	شامل کرنا
حکمتِ عملی	تدبیر	استحکام	مضبوطی
گہوارہ	مرکز		